اب
م289ی

Call No. ....

Acc. No. ....

Date ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. 891.41 Book No. D. 34 T

Vol. ______ Copy ______

Accession No. 25096

Call No. ....   *Date* ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. 891.41 Book No. D, 34 T

Vol. ______ Copy ______

Accession No. 25096

Date

Call No.

Acc. No.

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of .06 P. will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

4/12/75

یادگارِ ماجد

خاں صاحب، سید ماجد علی صاحب مرحوم ماؔجد ایڈوکیٹ
و گورنمنٹ پلیڈر کے ادبی کلام کا مجموعہ

حسب فرمائش

رائٹ انریبل سر تیج بہادر سپرو، پی سی

زیر اہتمام

سیّد طالب علی، طالبؔ الہ آبادی، ایم اے شاہ گنج۔ الہ آباد

ستمبر ۱۹۳۶ء

مطبوعہ

انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

قسم عام عدر

قسم خاص عمار

21!
م 289 ی

CHECKED

26 س

~~۸۹۱۔۲۳۱~~
~~م ۲۸۸ ی~~

باہتمام کالی۔ کے مترا۔ پرنٹر
انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

عنوان

J... ...ITY LIB.
46610
10-7-63

ALLAMA IQBAL LIBRARY
46610

BT 01
IM

Call No.……………… *Date*………………………

Acc. No.………………

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

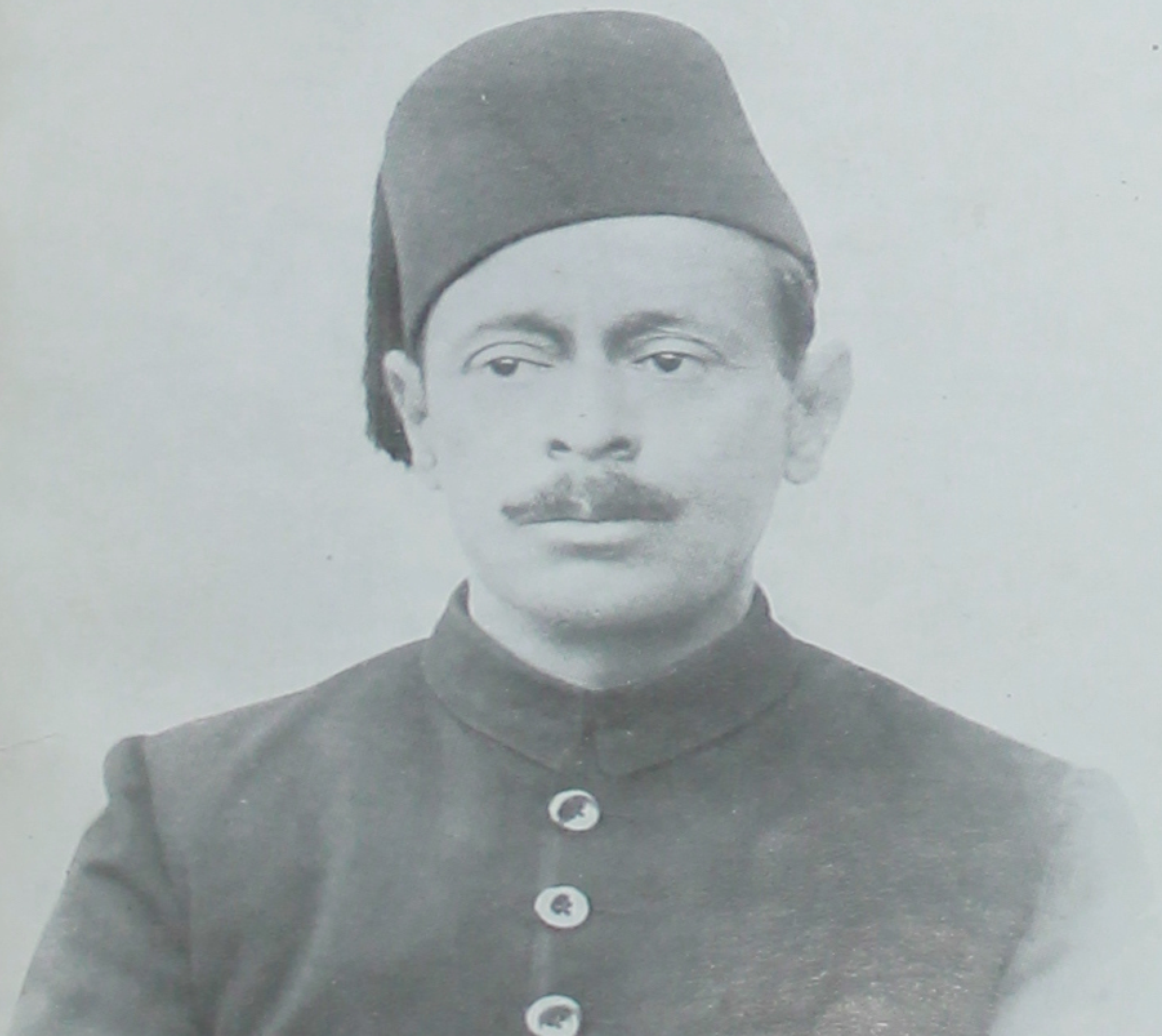

وہ پوچھتے ہیں ماجد کیوں کر بتائیں ان سے
پوشیدہ ہو جو دل میں رخ سے مگر عیاں ہو

معنون بہ اسم گرامی

رائٹ انریبل سر تیج بہادر سپرو

پریوی کونسلر

ماجد

Call No.

Acc. No.

Date

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

تعارف

جس وقت خواجہ الطاف حسین صاحب حالیؔ نے اپنے دیوان کا مقدمہ اُردو شاعری کے نقائص کے اظہار اور ان کی اصلاح کی غرض سے لکھا تھا اُس وقت اُردو شاعری واقعی تنزل کی حالت میں تھی۔ ادب اور شاعری انسانی تمدن کا ایک شعبہ ہے اور جس طرح اور شعبے اپنے وقت کی سوسائٹی کے خیالات اور جذبات۔ کمال اور زوال۔ حُسن و قبح سے متاثر ہوتے ہیں اُسی طرح ادب اور شاعری پر بھی مقام اور زمانہ دونوں کا اثر پڑتا ہے۔ سنہ ۵۷ء کے غدر کے بعد شمالی ہندوستان میں سوسائٹی کی حالت افلاس۔ انتشار اور بے چارگی کی تھی۔ پولیٹکل طاقت اور ثروت ختم ہو چکی تھی حب وطن اور خود داری کے جذبات مفقود ہو چکے تھے علم و فضل میں تنزل تھا اخلاق و عادات خراب ہو رہے تھے۔ پرانی دنیا کا زوال ہو رہا تھا اور اس کے آئیڈیل (ideal) قومی۔

سیاسی اور اخلاقی ۔ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور اس بات کے لئے کہ نئی دنیا بنے اور نئے آئیڈیل اُجاگر ہوں ایک مدّت درکار تھی ۔ تعجب کی بات نہیں اگر اس انحطاط کے دَور میں ادب کے نکات سمجھنے میں کمی اور شاعری کی اصلی غرض و غایت برتنے میں نقص پیدا ہو گئے اور حسن و عشق کی نگری محض داد و ستد کا بازار ہو کر رہ گئی ۔ شاعری غزل گوئی میں محدود ہو گئی اور غزلگوئی نام قرار پایا تُک بندی اور قافیہ پیمائی کا ۔ شاعر تو مشکل سے ایک آدھ مگر متشاعروں سے ہر شہر اور قصبہ بھرا ہوا ۔ ایک طرف تو شاعری کی یہ گت تھی دوسری طرف مغرب کا نیا اور قوی اثر غالب تھا ۔ مادّیت کے عروج اور کشاکش حیات کی زبردستیوں نے ساری قوم کو مکروہات زندگی میں ایسا اُلجھا دیا تھا کہ دل کے نازک احساسات اور تہذیب انسانی کے لطیف صیغوں کی طرف سے اُس کی توجّہ ہٹ گئی تھی ۔ یورپ نوازی اپنے جائز حدود سے اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اگر کبھی شعر و شاعری موسیقی اور مصوری کا بھولے سے خیال بھی آتا تھا تو یہ چیزیں دیکھی جاتی تھیں نیم فرنگی آنکھوں سے اور سُنی جاتی تھیں نیم فرنگی کانوں سے

شکر ہے کہ کچھ دنوں بعد اس کیفیت میں آپ سے آپ

تبدیلی شروع ہوئی فرنگی حکیم کہتے ہیں کہ آزادی سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اور زیادہ آزادی دیجائے اسی طرح تھوڑا سا علم حاصل کرنے کے بعد جو افلاطون کی شان اور فرعونیت کا سامان دماغ میں پیدا ہو جاتا ہے وہ اکثر زیادہ علم حاصل کرنے کے بعد خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔ جس نئی روشنی نے شروع شروع میں مغرب پرستی کو پیدا کیا تھا کچھ دنوں بعد جب اُس کا نیا پن جاتا رہا اور تاریکی پسند آنکھوں کو جو پہلے اس کی تابش سے خیرہ ہو گئی تھیں جب اس روشنی میں کام کرنے اور اس سے آشنا ہونے کا موقع ملا تو رفتہ رفتہ وہ خیرگی اور وہ چکا چوند دور ہو چلی۔ اپنی اور غیروں کی اچھائیاں اور بُرائیاں جانچنے کی عادت پڑنے لگی۔ مغربی اصولوں کی ماہیت سمجھ میں آنے لگی اور ہندوستانی خوبیوں پر جو غلط فہمیوں کا پردہ پڑ گیا تھا وہ ہٹنے لگا۔ اس انقلاب کا اثر اُردو ادب اور اُردو شاعری پر بھی پڑا جو آج بھی نمایاں ہے۔ مغربی علم و ادب کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے حسی اور افسردگی دور ہو گئی اپنی زبان کی ترقی کی طرف توجہ ہوئی اور شاعری کے عیوب کی اصلاح ہونے لگی۔ میر و غالب آتش و انیس کے جواہر پاروں

کی قدر دانی از سرِ نو شروع ہوئی ۔ بیسویں صدی کے سربرآوردہ شعراء، اقبال ۔ چکبست ۔ حسرت موہانی وغیرہ کے کلام میں اس انقلاب کا اثر نمایاں ہے

سیّد ماجد علی صاحب ماؔجد الہ آبادی جن کے دیوان کا یہ مختصر دیباچہ میں اپنے محترم اور عزیز دوست سر تیج بہادر سپرو کے ارشاد کی تعمیل میں لکھ رہا ہوں اسی انگریزی تعلیم یافتہ گروہ کے رکن تھے جس نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی زبان اور شاعری کی طرف توجہ کی تھی ۔ الہ آباد کے مختلف کالجوں اور بورڈنگ ہاؤسوں میں مشاعرے ہوا کرتے تھے مجھے یاد ہے کہ میں نے ماؔجد مرحوم کو پہلی مرتبہ ۱۹۲۱ء میں ہندو بورڈنگ ہاؤس کے مشاعرہ میں سنا تھا ۔ ان کی غزل کی غیر معمولی تعریف ہوئی ۔ مطلع خوب کہا تھا

کیا بات تھی معلوم نہیں ان کی نظر میں
اک پھانس سی چبھتی ہے اُسی دن سے جگر میں

اس غزل کا ایک اور شعر حافظہ کی امانت میں محفوظ ہے

پوچھے کوئی اس دل سے ترے درد کی لذّت
اک روح ہے قالب میں کہ ہے درد جگر میں

اسی زمانہ میں ان مشاعروں کے متعلق الہ آباد کے روزانہ اخبار لیڈر میں میری ایک مختصر تحریر شایع ہوئی تھی جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ ماجد صاحب خوب کہتے ہیں اور اگر وکالت کی صعوبتوں نے اجازت دی تو آیندہ اس سے بھی اچھا کہیں گے۔ اسکے بعد الہ آباد سے میرا تبادلہ ہوگیا مگر پھر بھی سال میں دو ایک بار جب الہ آباد جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور ماجد صاحب سے ملاقات ہوتی تھی تو میں ان سے تقاضے کر کے ان کے اشعار سنتا تھا اور ان کی زبان کی لطافت اور کلام کے جذب واثر سے محظوظ ہو کر ان کی سخن سنجی کی داد دیتا تھا۔

سید[1] ماجد علی ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوے۔ ان کے والد سید صاحب علی طبابت کرتے تھے تھوڑی سی زمینداری تھی اور کچھ کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی۔ ۱۹۰۲ء میں الہ آباد میں انگریزی شروع کی اور ۱۹۱۲ء میں میور کالج سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ زمانہ طالب علمی میں اپنی ذہانت اور قوت حافظہ کی وجہ سے کالج میں ممتاز تھے۔ مشہور ہے کہ پروفیسروں کے لکچر حرف

---

[1] یہ سوانح زندگی جناب طالب الہ آبادی کے مضمون سے ماخوذ ہیں جو جون ۱۹۳۶ء کے رسالہ "زمانہ" میں شائع ہوا ہے۔

بہ حرف ذہن میں محفوظ رہتے تھے ۔ یہ بھی ہوتا تھا کہ مجلس عزا میں مرثیہ پڑھا گیا اور ماجد صاحب نے ختم مجلس کے بعد اس کے سَو ڈیڑھ سو بند شایقین کو صحیح ترتیب سے لکھوا دئیے ۔ ۱۹۱۴ء میں قانون کا امتحان پاس کرکے ماجد علی صاحب نے اپنے بڑے بھائی سیّد عابد علی صاحب کے ساتھ جو الہ آباد میں ضلع کے وکلاء میں اُس وقت ممتاز تھے وکالت کا کام شروع کیا ۔ اور اس پیشہ میں خاصی ترقی کی ۔ ۱۹۲۹ء میں وکیل سرکار مقرّر ہوئے اور ۱۹۳۵ء میں ”خانصاحب“ کا خطاب ملا ۔ اپریل ۱۹۳۵ء میں یورپ کی سیر کو گئے جولائی میں واپس آئے مہینہ بھر بعد بلڈ پریشر (Blood Pressure) کے مرض میں مبتلا ہوئے اور آٹھ مہینے بیمار رہ کر ۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء کو اڑتالیس برس کی عمر میں انتقال کیا ۔ الہ آباد کا گلشن شاعری اس بلبل خوش الحان کے اُٹھ جانے سے سونا ہو گیا ۔ سید ماجد علی ایک شگفتہ مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے طبیعت میں آزادہ روی اور عیش پسندی تھی مگر نہ تعصب تھا نہ غرور ۔ مذہباً وہ شیعہ تھے مگر شیعہ سُنّی ہندو مسلمان ہر ایک سے بہ کشادہ پیشانی ملتے تھے ۔ ان کا حلقہ احباب الہ آباد میں وسیع تھا ۔ اور اس میں ہر مذہب و ملت کے

کے لوگ شامل تھے۔ وہ جس سے ملتے تھے سچائی اور خلوص کے ساتھ ملتے تھے۔ اور ان کی خندہ جبینی اور خوش طبعی دلوں کو موہ لیتی تھی۔

ماجد فطری شاعر تھے۔ ان کے سینہ میں دل تھا اور دل میں درد۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار دل میں چبھتے ہیں اور اُن کی زبان کی سلاست اور روانی۔ بندشوں کی استواری اور الفاظ کی موسیقیت سننے والوں پر اثر کرتی ہے۔ ماجد غزل گو تھے (گو اس کتاب میں اور اصناف کلام کے نمونے بھی موجود ہیں) اور غزل کی شاعری جس کو انگریزی میں Lyric کہہ سکتے ہیں داخلی شاعری ہے۔ جس کو دل کے جذبات اور قلبی واردات سے تعلق ہے۔ ناسمجھ کہتے ہیں کہ غزل ایک فضول چیز ہے۔ اس گل و بلبل کی کہانی اور شمع و پروانہ کی داستان میں آخر رکھا ہی کیا ہے۔ مگر سمجھنے والے سمجھتے ہیں اور جاننے والے جانتے ہیں کہ گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے پردہ میں کہنے والا نہ معلوم کیا کیا کہہ جاتا ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

منشی جگت موہن لال صاحب رواںؔ فرماتے ہیں اور بالکل سچ فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ ری یہ وسعت دامان غزل
بلبل و گل ہی پہ موقوف نہیں شان غزل
ختم پنہائے دو عالم پہ ہے پایان غزل
پوچھئے حافظ شیراز سے امکان غزل
ضبط ہے آئینۂ رازِ حقیقت اس میں
یہ وہ کوزہ ہے کہ دریا کی ہے وسعت اس میں

مُشاعروں اور تُک بندوں سے مطلب نہیں۔ شاعر اگر وہ سچّا شاعر ہے مشاعرہ میں غزل نہیں پڑھتا بلکہ بے اختیار اپنے دل صد پارہ کی قاشیں دنیا کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ بے درد اور کج فہم جو چاہے سمجھیں اور جو چاہے کہیں۔ اپنے ہم وطنوں کو کبھی کبھی ہندوستانی شاعری کی مذمت کے ساتھ ساتھ ملٹن اور شیکسپیر کی مدح سرائی کرتے ہوئے سنتا ہوں میں نے بھی شیکسپیر کی دو چار کتابیں پڑھی ہیں۔ شیکسپیر کے خدائے سخن ہونے سے کس کافر کو انکار ہے۔ شیکسپیر کو پڑھئے اور ضرور پڑھئے مگر شیکسپیر کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ایک دفعہ پھر

غالب کے مختصر دیوان پر نظر کیجئے۔ دیکھئے تو مرزا کے سحر کار قلم نے حسن بیان کے کیا کیا طلسم اور حسن معنی کے کیا کیا کرشمے دکھائے ہیں۔

پڑھا ہے ہم نے بھی قرآں قسم ہے قرآں کی
جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری

بدقسمتی سے آج اردو نظم کہنے والوں کے ایک حلقہ میں غالب کا تتبع فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ ان بزرگوں سے غالب کی سہل ممتنع تو بن نہیں پڑتی۔ تصوّف کے مراحل اور منازل سے بے خبر ہیں محض دور از کار موشگافیاں کے بھروسے پر فارسی کے سنگین الفاظ اور ناہموار ترکیبیں جوڑ کر اور صوفیوں کی اصطلاحات اور رسمی مسائل کا ذکر کر کے اِدّعاے غالبیت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے "شاعروں" سے خدا کی پناہ۔

ماجد کے کلام کا مجموعہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

خلش اب تک ہے یوں دل میں نگاہِ ناز پرور کی
کہ نشتر کی جگہ جیسے کھٹک باقی ہو نشتر کی

دل تڑپ اُٹھّا در و دیوار زنداں کے لئے
جب کبھی یاد آ گئی اُتری ہوئی زنجیر کی

مدّتیں گزریں مریضِ ہجر دنیا سے گیا
آج اک بھولی ہوئی بات آپ نے کیوں یاد کی
نام تیرا لے کے چپ بیٹھے ہیں دیوانے ترے
ورنہ کیا روکیں گی ان کو بیڑیاں فولاد کی

بند کیں آنکھیں سوئے در دیکھ کر بیمار نے
ہل گئے دل سب کے اس فریاد بے آواز سے

بنا دوں گا تمھارے سنگ در کو رشک آئینہ
اسی پتھر میں سب میرا خطِ تقدیر دیکھیں گے

خانۂ کعبہ ہو کہ وہ سنگِ در حضور ہو
شرط ہے بے خودی فقط میری ہر اک نماز میں

میرے دل سے مجھ کو آتی ہے صدا بے شک مگر
یہ مری آواز ہے یا آپ کی آواز ہے

* * *

سمٹ کے عالم کا نور زاہد مری جبینِ نیاز میں ہے
ازل سے افسانۂ قیامت کسی کی زلفِ دراز میں ہے
بس اک یہی راز مستقل ہے جہاں میں گر ہے تو بس یہ دل ہے
جو کچھ بھی ہے دل میں آدمی کے وہ صرف دل کے گداز میں ہے
ازل سے ہے ایک ربط پنہاں کوئی گدا ہو کہ بادشہ ہو
وہی ہے محمود کی جبیں پر شکن جو زلفِ ایاز میں ہے

* * *

سارا جہان ان کو ازل سے عطا ہوا
اور ایک دل ملا ہمیں سب کے جواب میں
اک روشنی سی اشک ندامت میں آ چلی
توبہ قبول ہو گئی اس کی جناب میں
وہ دل مرا جو سب کی نظر سے گرا رہا
محشر میں ہے وہی نگہِ انتخاب میں

* * *

ماجد شاعر ہے۔ اس کی زبان شیریں اور پاکیزہ ہے۔ اس کے کلام میں اثر ہے۔ اس کے شعر دل میں چٹکیاں لیتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ سخن فہم اور قدردان حضرات جن کی مدد اور سعی سے یہ دیوان چھپ رہا ہے ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

لکھنؤ ۲۴ جولائی ۱۹۳۶ء

(پنڈت) منوہر لال زتشی

اشارے

اس مجموعہ کی ترتیب و تدوین اور انتخاب و نظم زرا سے نامانوس اور اجنبی ہیں۔ عم مرحوم ماجد صاحب کے مبیضہ میں تمام کلام تاریخ کی قید سے ہے، ذہنی ارتقاء کے پرکھنے والوں کے واسطے اس سے بہتر مواد نہیں مل سکتا، کہ مصنف کا کلام، اسی ترتیب سے ہدیۂ نگاہ ہو جس ترتیب سے، عالم شہود میں آیا ہو انتخاب میرا ہے اور خالص میرا، میں نے مرحوم سے کہا تھا، کہ اپنے کلام کا انتخاب آپ خود فرمائیے یا دس پانچ جوہریوں کو شامل کر لیجئے ورنہ تنہا میرا انتخاب ذاتی ہوگا اور نفسیاتی جوش و پسند سے بے نیاز نہ ہوگا۔ مرحوم نے فرمایا، میرا حکم ہے کہ تنہا تم انتخاب کرو، منتخب مجموعہ کو میں نے شروع سے آخر تک مرحوم کو سُنا دیا تھا، انتخاب بھی بہت پسند آیا تھا، اور ترتیب بھی۔

اگر مجھے رسمی باتوں سے اُلجھن نہ ہوتی تو میں رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو کی عنایات کا شکریہ ممکن الفاظ میں ادا کر دیتا، یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ موصوف سے زیادہ ماجد مرحوم اور انکے

کلام کا قدردان کوئی دوسرا نہیں ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ زیر نظر مجموعہ، ابتدائے تحریک سے انتہائے تکمیل تک موصوف کی نکتہ شناس، ادب پرور، اور خلوص آمیز نگاہوں کا شرمندۂ احسان ہے۔

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کا تعارف، خود ذات والاصفات کی طرح تعریف سے بلند ہے، موصوف اپنی آزاد خیالی اور نقد و نظر میں خود اپنی مثال آپ ہیں، ادبی محسن کشی ہو گی اگر میں اس نفیس اور لطیف تعارف کا شکریہ ادا نہ کروں۔

لیتھو کی چھپائی میں جو دقّتیں ہوتی ہیں ان کا اندازہ صرف "اہل نظر" کر سکتے ہیں۔ میرے خلوص پرست کرم فرما متینؔ صفی پوری نے صحت کتابت و طباعت کی ہر منزل میں مسلسل اور ہمت آزما کوششیں کی ہیں

اس مجموعہ کی شان طباعت اور حسن تزئین کے متعلق ابھی بہت سے حوصلے میرے دل میں ہیں کاش Second Edition کی نوبت جلد آئے

طالب۔ الہ آبادی

سیّد ماجد علی مرحوم

عم محترم خان صاحب سید ماجد علی صاحب مرحوم ایڈووکیٹ گورنمنٹ پلیڈر الہ آباد ۱۸۸۸ء کے آخری مہینوں میں پیدا ہوئے، غریب مگر شریف گھرانا تھا، والد سید صاحب علی صاحب حکیم بھی تھے اور عالم بھی۔ تھوڑی سی زمینداری تھی اور کچھ کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی حیثیت معمولی مگر آن بان بہت تھی، انکی طبابت، غریب نوازی، خودداری، کنبہ پروری اور خداترسی کے ڈنکے اٹھ گنواں اور مہائس میں بجتے تھے، سپوت بیٹا ان تمام صفات میں اپنے باپ سے ملتا جلتا تھا ۱۸۹۵ء میں خاندانی رسم کے مطابق بسم اللہ ہوئی، کلام پاک اُردو اور فارسی کی درسی کتابیں مولوی مردان علی صاحب منڈوری سے پڑھیں، ماں کا سایہ پانچ ہی سال کی عمر میں اُٹھ چکا تھا، بھاوج اور بہن نے پانچ برس کی جان کو اپنی اولاد سمجھ کر پالا

۱۹۰۲ء میں الہ آباد میں انگریزی شروع کی، اسکول میں داخل ہوئے ۱۹۱۲ء میں بی۔ اے پاس کیا، ذہانت کا یہ حال تھا کہ کسی

کتاب، لکچر، یا مضمون کو کبھی دہرانے کی ضرورت نہ ہوئی، حافظہ اتنا غیر معمولی تھا کہ صفحے کے صفحے اور لکچر کے لکچر ذہن میں حرف حرف محفوظ رہتے تھے، مشہور ہے کہ میور سنٹرل کالج میں فلسفے کے آتش بیان مقرر ریڈ فرڈ (Rad ford) صاحب پورے گھنٹے بھر پچاس لفظ فی منٹ کی رفتار سے تقریر کرتے تھے اور ختم تقریر کے بعد ماجد صاحب لوگوں کو چھوٹے ہوئے جملے لکھا دیا کرتے تھے اور یہ تو کوئی بات ہی نہ تھی کہ مجلس ع۱۰ میں ڈیڑھ دو سو بندوں کا مرثیہ پڑھا گیا اور ماجد صاحب نے ختم مجلس کے بعد شائقین کو پورے بند اسی ترتیب سے لکھوا دئے۔ مرحوم اکثر امتحانات میں امتیازی شان سے کامیاب ہوئے، کہتے ہیں کہ ایک بار ڈن صاحب نے سات صفحات کے نوٹ لکھائے بیچ میں مرحوم کی پینسل ٹوٹ گئی بورڈنگ ہوس پہنچکر یاد سے نوٹ مکمل کرلئے ایک حرف کا فرق نہ تھا، ۱۹۱۴ء میں وکالت پاس کی سال بھر تک بڑے بھائی سید عابد علی صاحب مرحوم (ایڈوکیٹ) کے ساتھ مل جل کر کام کرتے رہے اس کے بعد ۱۹۱۵ء سے ان کے سایہ عاطفت میں علیحدہ وکالت کرنے لگے، بھائی کی وکالت معراج پر تھی طوطی بولتا تھا، ضلع کے وکلا میں پہلا نام تھا چنانچہ ان کو بھی ان کی

ذات سے پوری پوری مدد ملی سال ہی دو سال میں یہ بھی چمک اُٹھے
شہر کی تنگ گلیوں سے نکل کر ۲۶ء میں سول لائن میں بنگلہ لے لیا
اور رہنے لگے جہاں سے یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو چک پر سید رضی الدین حسن
صاحب وکیل کے مکان میں اُٹھ آئے ۔ یہی زمانہ افاقۂ مرض کا تھا۔
۲۵؍ جنوری ۳۶ء کو تیسرا حملہ ہوا تو پھر سنبھل ہی نہ سکے ۱۹۲۹ء
میں ضلع کے گورنمنٹ پلیڈر مقرر ہوئے اور مرتے دم تک سرکاری
وکیل رہے ۔ انھوں نے اپنی فرض شناسیوں کی ایسی اچھوتی مثال
چھوڑی ہے کہ عرصہ تک پبلک اور حکام عزت و محبت سے یاد
کریں گے ۔ ادائے فرض کے پہلو بہ پہلو ماجد صاحب نے سماجی
تعلقات کا توازن بھی اس طرح قائم رکھا کہ طرفین ہمیشہ خوش
رہے ۔

مئی ۱۹۳۵ء میں مرحوم کو سرکار سے اعتراف خدمات کے
صلہ میں "خان صاحب" کا خطاب ملا ۔ آپ ولایت میں تھے ۔
۲۴؍ اپریل ۱۹۳۵ء کو "رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو پی سی" کے
ساتھ یورپ کی سیر کو گئے تھے ۔ ۹؍ جولائی ۱۹۳۵ء کو موصوف ہی
کے ساتھ ہندوستان واپس آئے ۱۱؍ اگست ۱۹۳۵ء تک کام
کرتے رہے ۱۲؍ اگست کو صبح چھ بجے سے ایک بجے دن تک

مُنہ سے خون آیا، سوا سیر سے کم نہ نکلا ہوگا، کھاٹ سے لگ گئے، آٹھ مہینے پڑے رہے، ایلوپیتھی طب اور یونانی کے بہترین اطباء اور ڈاکٹر معالج رہے مگر مرض بڑھتا ہی گیا، تین دفعہ فصد کھولی گئی ہر مرتبہ آدھ سیر تین پاؤ خون نکالا گیا، دو بار خود فطرت نے مُنہ سے خون نکالا مگر "بلڈ پریشر" میں کوئی کمی نہیں ہوئی، ڈاکٹر سیّد محمد مصطفےٰ صاحب آخر تک ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ دن میں کئی کئی بار معائنہ کرتے تھے۔ ہڈی چمڑہ رہ گیا تھا مگر دل دھوکنی کی طرح چلتا رہتا تھا اور دماغ کی پوری قوتیں اپنا اپنا کام کئے جاتی تھیں، سر تیج بہادر سپرو، سر وزیر حسن، سر شاہ محمد سلیمان اور ملّا صاحب سے لیکر یکّہ والے تک برابر خیریت پوچھنے اور دیکھنے آیا کرتے تھے، ہر مذہب ہر ملّت اور ہر عمر کے لوگ دست بدعا تھے مگر "وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے"۔

ذرا سی تکلیف میں بھی دھڑکا ہوتا تھا کہ قلب کی حرکت یکایک رُک جائیگی، غرض ۲۵؍ مارچ ۳۶ء کی بھیانک رات کو کائنات حیات کا رہا سہا شیرازہ درہم و برہم ہوگیا۔ رات کو پون بجے تک باتیں کرتے رہے۔ یکایک بارہ بجکر ۴۷ منٹ پر خاموش ہوگئے اور پھر نہ بولے۔ نہ ہاتھ پاؤں کھینچے نہ ہچکی آئی نہ سکرات کا عالم ہوا پھر بھی قیامت

آگئی، بیوی رانڈ اور بچے یتیم ہو گئے۔ منجھلے بھائی جو دس برس مرحوم سے بڑے ہیں فطرتاً بذلہ سنج اور جوان طبیعت ہیں۔ آٹھ مہینے کی مسلسل بیماری میں سایہ کی طرح مرحوم کے ساتھ رہ کر انتھک تیمار داری کرتے رہے مگر اب وہ نیم مردہ سے ہو گئے ہیں اور بوڑھے معلوم ہوتے ہیں

مرحوم نے دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی ہے۔ لڑکی انکے چھوٹے بھتیجے سید غالب علی صاحب ایڈوکیٹ اور ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ الہ آباد کی بیوی ہے۔ بڑا لڑکا اٹھارہ بیس کا اور چھوٹا سات برس کا ہے

مرحوم معمولاً صاف سادے اور ہندوستانی وضع کے کپڑے پہنتے تھے۔ ترکی ٹوپی خاکی سلک یا سیاہ الپکے کی شیروانی قمیض کرتے اور چوڑی دار پاجامہ کبھی کبھی کسی خاص موقع پر ٹینس کھیلنے کے وقت کوٹ پتلون اور انگریزی ٹوپی بھی پہن لیتے تھے مگر شاذ و نادر

مزاج میں تعصب نام کو بھی نہ تھا، خوشامد کی بو اور غرور کی چھاؤں بھی نہ تھی، بوڑھا ہو یا بچہ امیر ہو یا غریب عورت ہو یا مرد ہندو ہو یا مسلمان، اپنا ہو یا غیر، ہر شخص سے اس طرح ملنے کہ

وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ وہی سب سے زیادہ مرحوم کی نگاہ میں عزیز ہے

بوٹا سا قد، صاف رنگ، مسکراہٹ میں مقناطیسی اثر تھا جس سے لوگ بے اختیار کھنچتے تھے، ہنستا ہوا مکھڑا، تبسم ریز آنکھیں ہونٹوں کی گلابی پنکھڑیاں ہر وقت کھلی رہتی تھیں

کبھی اپنے قابو بھر کسی کو تکلیف نہیں دی۔ جلد بازی بہت تھی، آن تھی، شان تھی، غصہ بھی جلد آتا تھا کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی تیور پر بل آگیا، چہرے کا رنگ بدل گیا، مگر جتنا تیز غصہ آتا تھا اتنا ہی جلد اتر جاتا تھا ادھر غصہ اُترا اور ادھر ماجد صاحب، جسپر غصہ آیا تھا، اُسے منانے لگے۔ میں نہیں جانتا کہ اڑتالیس برس کی زندگی میں کبھی کوئی شخص مستقل طور پر اُن سے ناخوش رہا ہو۔ بات یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی اصلی قیمت اور ہر شخص کی حقیقت کو پہچانتے تھے اور اپنے برتاؤ سے کبھی کسی کو شکایت کا کوئی موقعہ نہ دیتے تھے

مذہباً وہ شیعہ مسلمان تھے اور اپنی آزادروی، عیش طلبی اور رومانیت کے باوجود بھی حسینؑ شہید کے شیدائی تھے، کربلا معلےٰ ہو آئے تھے، مرثیہ کہا، سلام کہے، عشرہ بھر جو کی روٹیاں اور

Jammu & K... Library
Accession ... 46610

ساگ کھاتے تھے۔ کالا کُرتہ پہنتے تھے۔ محرم میں گانوں کے تمام کاموں میں حصہ لیتے تھے اور پورے جوش کے ساتھ۔ خوش گلو تھے سوز پڑھتے تھے، نوحے پڑھتے تھے، آواز میں درد تھا، تحت خوانی کرتے تھے صاحب نظر تھے کبھی کبھی حدیث بھی پڑھتے تھے، جناب عباسؑ علمبردار کا بڑا عَلم اُٹھاتے تھے، موسیقی سے ایک خاص ربط تھا، طبل بھی بجالیا کرتے تھے۔ خوش اعتقادی سمجھئے یا حُسن اتفاق موت بھی ملی تو ایسے دنوں میں جو شیعوں کے نزدیک نہایت متبرک سمجھے جاتے ہیں یکم محرم کا دن گزر کر شب کو انتقال ہوا گویا اُن کی روح بھی حسینؑ غریب کی پیشوائی کو کربلائے معلی پہنچ گئی

ماجد صاحب کو ۲۹ر ذی الحجہ سے بار بار چاند کی رٹ لگی ہوئی تھی معلوم ہوا کہ ہلال محرم دکھائی دیا تو بیمار عاشق نے کانپتے اور سوکھے ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹا اور خواہش کی کہ مجھے بھی چاند دکھا دو۔ پھر مسرور ہو کر کہا کہ اب محرم والوں میں میرا بھی شمار ہو جائے گا۔ جب میں چاند رات سے دن عشرہ کرنے کے لئے نگرسن کی طرف چلنے لگا تو مرحوم نے کہا، جاؤ اور سب بچوں کو ساتھ لئے جاؤ میں بھی دو ایک دن میں آجاؤں گا دوسری تاریخ کو لاش آئی اور کربلا میں بھائی کے پاس دفن ہوئی

”ایسا موتا ہے زندۂ جاوید“
”کیا دِوانے موت پائی ہے“

۲

مرحوم فطری شاعر تھے آپ نے اس لطیف اور وہبی ملکہ کو نہ تو کتابیں پڑھ کر حاصل کیا نہ کسی اُستاد کے در پر جبیں سائی کی۔ وزن کا احساس سات آٹھ سال کی عمر ہی سے ایسا تھا کہ ایک دفعہ الہ آباد سے گاؤں جاتے ہوئے ہنومان گنج میں ڈاکخانہ کا بورڈ دکھائی دیا تو فوراً زبان پر جاری ہو گیا۔

پوسٹ آفس ڈاکخانہ ڈاک گھر
ڈاکخانہ پوسٹ آفس ڈاک گھر

آپ نے سب سے پہلے ۱۹۱۴ء میں مسلم بورڈنگ ہاؤس الہ آباد میں اپنی پہلی غزل پڑھی اس زمانہ میں وہ اپنا کلام میر علی عباد صاحب مرحوم نیساںؔ الہ آبادی کو دکھاتے تھے نیساں صاحب کا سلسلہ منشی منیرؔ کے ذریعہ ناسخؔ تک پہنچتا ہے۔ موصوف کے یہاں منیرؔ اور ناسخؔ اسکول کی اکثر خوبیاں موجود ہیں۔ ماجد صاحب کی غزل کا صرف ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے، غزل اُستاد کی دیکھی ہوئی تھی۔ کہیں ضائع ہو گئی

یہ کس نے چاندنی کی سیر میں رُخ سے نقاب اُلٹی
چکوروں کی پھری جاتی ہیں نظریں ماہِ کامل سے

یہ ابتداء تھی۔ انتہا یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء میں یورپ کے سفر میں دو غزلیں کہیں اور بستر بیماری پر ایک شعر کہا ؎

یارب اتنے پوچھنے والے ہوں جس بیمار کے
اس کی بیماری پہ صحّت کا یقیں کیونکر نہ ہو

آپ نے کُل ۱۵۸ غزلیں کہی ہیں، کچھ قصیدے اور کچھ اعتقادی نظمیں اور سلام ہیں، ایک مرثیہ ہے اور بعض خاص موقعوں کی نظمیں ہیں۔ ادبی کلام کا منتخب مجموعہ جس کا انتخاب میں نے مرحوم کی فرمائش سے کیا تھا کتابی شکل میں انڈین پریس میں زیر طبع ہے۔ اس کی ترتیب آپ خود اپنی علالت کے دوران میں پسند کر چکے ہیں۔ اعتقادی نظمیں "سات نشتر" کے نام سے سفر کربلا کے بعد چودھری سیّد عشرت حسین صاحب رئیس بلّھور نے شائع کی تھیں آپ نے کبھی نام و نمود، اعلان افتخار، یا اظہار کمال کے لئے شعر نہیں کہے۔ حسّاس فطرت، موسیقی سے گہرے ربط کے علاوہ مزاج میں شوخی اور طبیعت میں مسلسل رو مان کا عنصر تھا۔ شعر کہنے کے لئے مجبور تھے جب جذبات کی

فراوانی برداشت سے باہر ہو جاتی تھی تو شعر موزوں کر کے سکون قلب حاصل کرتے تھے، حسن و عشق کی گلیوں میں ہر وقت پھیرے ہوا کرتے تھے۔ وصل و ہجر کے مزے اُٹھائے جاتے تھے پھر غزل نہ کہتے تو کیا کہتے

اُن کی غزلوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُنھوں نے صرف قافیہ پیمائی یا خامہ فرسائی نہیں کی جو بات کہی معنے اور اثر کے لحاظ سے نئی کہی ارکان میں وہ قدما کی پوری تقلید کرتے تھے نہ ان کی غزلوں میں درس عمل کی تلاش ہے نہ دور از حال فلسفے کا پیام۔ روزمرہ کی باتیں ہیں۔ فطری حادثات کی تصویریں ہیں البتہ حسن بیان شاعرانہ اور انداز تحریر میں تغزل کا رنگ ہے زود گو ہونے کے باوجود پُر گو نہ تھے۔ کبھی مشاعرے میں بیٹھ کر غزل کی غزل کہہ لی کبھی گھر سے مشاعرے تک جاتے ہوئے شعر کہہ لئے۔ بیٹھے تو گھنٹے آدھ گھنٹے میں جتنا کہنا تھا کہہ کر اُٹھ گئے یہ نہیں کہ گھنٹوں بحر شعر میں غوطے لگا رہے ہیں۔ ۲۰ برس تک شعر و سخن سے ذوق رہا مگر کیٹس اور وحید کی طرح کل کائنات ڈیڑھ دو سو صفحات سے زیادہ نہیں ہے

غزل پڑھتے وقت ان کی درد بھری آواز کا ترنم، اور حسن ادا

کا ایسا رنگ جمتا تھا کہ لوگ مسحور ہو جاتے تھے۔

نیساںؔ صاحب سے تھوڑے ہی دنوں تلمذ رہا ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۶ء تک جو کچھ کہا جذبات سے مجبور ہو کر کہا۔

یہی بس اک راز مستقل ہے جہاں میں جو کچھ ہے بس وہ دل ہے
جو کچھ بھی ہے دل میں ہے آدمی کے وہ صرف دل کے گداز میں ہے

اثر کے سامنے لفظوں کی نشست، ترکیبوں کا انوکھا پن، اور فن کی نزاکتیں کسی چیز کی کوئی وقعت ان کی نگاہ میں نہ تھی۔

شعر کہنا ہے جو ماجدؔ تو اثر لے کے کہو
ورنہ کیا لطف فقط قافیہ پیمائی کا

وہ دور جدید کے ممتاز غزل گو تھے مگر نہ اقبالؔ کا پیام عمل ان کے یہاں ہے نہ جوشؔ کا طوفان بیان، نہ جگرؔ کی والہانہ باتیں ہیں نہ اصغرؔ کی اچھوتی ترکیبیں۔ ان کی غزل گوئی میں صفیؔ ثاقبؔ جلیلؔ اور اثرؔ کا سا انداز ہے۔ ماجدؔ صاحب کا معشوق گوشت اور پوست کا مادی معشوق ہے، وہ انسان بھی ہے اور دل بھی رکھتا ہے۔ صرف شاعری کی تخلیق اور حسن بیان کا پتلا نہیں ہے۔ آپ بھی دیکھ لیجئے۔

دل دھڑکتا ہے الٰہی خیر دیوانے کی ہو   آج دو دن سے صدا موقوف ہے زنجیر کی

یا

نیچی نگاہیں کوئی بے اختیار اُٹھائے   دلچسپ آج اے دل اتنی تو داستاں ہو

ماجد صاحب کے کلام میں اکثر کھُلی اور رِندی شوخیاں ملیں گی مگر ابتذال کی چھانوں بھی نظر نہ آئے گی مرحوم عرفان اور علم الٰہی کی کتنی منزلیں طے کر چکے تھے اس کا اندازہ صرف ایسے مرزا پرست شارحین کر سکتے ہیں جو غالب کے ہر شعر میں تصوّف کی ایک درسگاہ دیکھ لیتے ہیں۔ میں تو معمولی پہنچ کا آدمی ہوں، اتنا ہی جانتا ہوں کہ ماجد صاحب کا یہی عالم تھا جس میں ہم سب ہیں اور وہ ایسی ہی کیفیات کی تصویریں کھینچتے ہیں جیسی آئے دن ہم لوگوں پر گزرتی رہتی ہیں ہاں کبھی کبھی لہجہ میں شوخی اور بے تکلفی آجاتی ہے۔

وہ لڑکپن کا نتھا حُسن اور یہ جوانی کی بہار
تِل یہی پہلے بھی تھا رُخ پر مگر قاتل نہ تھا

مگر ماجد صاحب کی شاعری کے اصلی جوہر اس وقت کھُلتے ہیں جب آپ ان کے وہ شیریں نغمے سنیں جو درد میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جن کی ہر لَے کے ساتھ خون جگر کی چھینٹیں اُڑتی ہیں۔

سانس بھی جیسے ہو تھمی۔ تارے بھی جیسے ہوں رُکے
آہ کچھ ایسی کیفیت ہوتی ہے انتظار میں

دہر کی آبادیاں ہیں نام کی
جن پہ سَو آبادیاں صدقے وہ ویرانے کہاں

اُٹھ گیا آج زمانے سے مریضِ غمِ ہجر
سو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا

تاریک اس کے آگے کیوں کر نہ اک جہاں ہو
جس کا کہ شام ہوتے برباد آشیاں ہو

آپ نہ کبھی رعایت لفظی کے پیچھے پڑے نہ صنعتوں کے گورکھ دھندے میں گرفتار ہوئے۔ اسی لئے ان کے کلام میں آپ کو محنت، جستجو، تلاش یا آورد کی جھلک کہیں نہیں ملے گی۔ یہ ضرور تھا کہ نظم کرنے کے وقت لفظوں کا انتخاب ترنّم کے اعتبار سے کرتے تھے اور اکثر گُنگُنا کر شعر کہتے تھے۔ جو ادا سب سے زیادہ پسند آئی وہ چھانٹ لی۔ فن موسیقی سے واقف ہی تھے۔ بڑے بڑے گانے والوں کو سُن چکے تھے، کن رس تھے، انتخاب بحر و قوافی میں بھی نغموں سے مدد لیتے تھے، لفظوں کے نغمے اور مصرعہ کے سجاؤ میں بھی لَے اور تال سے چولی دامن کا ساتھ رکھتے تھے۔ جگر، صفی، جوش

اور اقبالؔ کی طرح صرف اپنی آواز کے خداداد درد اور اثر سے کام لیتے تھے، پڑھنے میں اُچھل کود تاؤ بھاؤ اور ایکٹنگ بھی نہ تھی نہ بلاوجہ ہر مصرعہ یا شعر کو دُہراتے تھے

اکثر مشاعرے ماجد صاحب کے ہاتھ رہتے تھے مگر انھوں نے کبھی کسی شاعر سے مقابلہ کا خیال بھی نہ کیا، "تو بڑا کہ میں" کا عام قضیہ ان کے نزدیک آدابِ محفل کے خلاف تھا، کدورت یا کسی سے مَیل رکھنا ان کی فطرت کے لئے اجنبی باتیں تھیں وہ ہر شخص سے محبت اور ہر فرد کی عزت کرتے تھے۔ نہ ان کے کلام میں آپ کو کبھی تعلّی طنز، تعریض یا چشمک کے اشارے ملیں گے نہ ان کی حیات کے کسی شعبے میں ان چیزوں کا پتہ چلے گا کیا مشاعرہ اور کیا غیر مشاعرہ کیا خلوت اور کیا جلوت ہر جگہ وہ ایک سے تھے۔ صاف پاک اور دلچسپ۔ کوئی ان کو بہت اچھا شاعر سمجھے یا نہ سمجھے مگر اچھا آدمی سمجھنے پر ہر ایک مجبور ہو جاتا تھا۔ یہاں ان کی حیات کے بعض واقعات کا ذکر میں نے صرف اسلئے کر دیا ہے کہ اشعار میں ذاتی عنصر کا ہر جگہ غلبہ ہے کلام کو ذرا سا کرید کر دیکھئے تو ان کا خون شعر کی رگوں میں موجزن ملے گا یہ دوسری بات ہے کہ "بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر" سے۔

وہ بھی مجبور تھے۔ شراب اور اس کے اثرات و متعلقات کا ذکر بھی اردو غزل گوئی کا زیور رہے مگر صرف آرائش کے لئے۔ اظہار مضمون کے واسطے۔ ماجد صاحب میکدۂ حسن و عشق کے پہنچے ہوئے رند تھے مگر میرے علم میں انھوں نے شراب کبھی نہیں پی۔ ان کے شعر ان کی حیات کا آئینہ ہیں جن کا ثبوت ان کے مجموعہ کلام کے ہر تیسرے شعر سے مل سکتا ہے ؎

موت سے ڈرنا بھی کوئی بات ہے
آخری ایک اور انگڑائی سہی

یہ انگڑائی ماجد صاحب مرحوم کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ وہ بولتے بولتے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ مگر ایام بیماری میں جب صرف ہڈیوں کی مالا رہ گئے تھے اس وقت بھی آن بان کا یہ عالم تھا کہ فصد کھلوائی، سوئی لگوائی اور زبان سے ہوش میں سی بھی نہیں کہا۔ علالت کے زمانہ میں بارہا سکتے میں ہیں اور درد سے بیچین ہیں۔ دل دھڑ دھڑ کر رہا ہے کروٹ نہیں لے سکتے مگر سب کو تسکین دئے جاتے ہیں۔

زمین و آسماں میرا ہے یہ کون و مکاں میرا
وہیں منزل بنا لوں گا میں جی چاہے جہاں میرا

قصیدوں میں یا مرثیہ اور سلام میں کوئی خاص بات نہیں، اعتقادی نظموں میں لطف و اثر ضرور ہے کیونکہ ماجد کے تمام جذبات گہرے لطیف اور اثر انگیز تھے۔ لوگوں کو ان کے اعتقادی کلام میں بہت کچھ سامان ضیافت ملے گا

کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر کہتے تھے مگر بہت کم فارسی میں بھی جذبات اور اثر کا وہی عالم ہوتا تھا۔

از ہستیِ دو عالم چیزے نہ خبر دارم
قلبِ من و یادِ تو چشمِ من و روئے تو

زمانہ جون ۱۹۳۶ء

طالب الہ آبادی

فہرست

نمبر شمار		صفحہ
۱	بچے گا دل نہ گیسوے دوتا سے	۱
۲	باندھے کماں جو آپ سا ابرو کماں رہے	۲
۳	کچھ بھی پسند خاطرِ شوریدہ سر نہ تھا	۳
۴	خلش ابتک ہے یوں دل میں نگاہِ ناز پرور کی	۳
۵	کیا بات تھی معلوم نہیں ان کی نظر میں	۴
۶	اک نظر دیکھے جو عالم تری رعنائی کا	۴
۷	دیکھیں کیا کیا حسرتیں نکلیں دلِ نخچیر کی	۵
۸	وہی سمجھے دلِ عاشق کی حالت شام ہجراں میں	۶
۹	دل دے کے عجب غم میں گرفتار رہائیں	۷
۱۰	جگر کو دیکھتے یا دل کو پیکاں سے جدا کرتے	۸
۱۱	پھر بہار آئی جنوں کے لئے ساماں ہو جائے	۸
۱۲	پھر سرِ بام کوئی جلوہ نما ہوتا ہے	۹

نمبر شمار		صفحہ
۱۳	اس قدر میں نے اُٹھائیں لذتیں بیداد کی	۱۰
۱۴	کچھ عجب اندوہ وحسرت میں دلِ ناکام ہے	۱۱
۱۵	کچھ سمجھ کر داستانِ درد کے آغاز سے	۱۱
۱۶	تیرِ نظر پہ ہر دم جس دل کا امتحاں ہو	۱۲
۱۷	کچھ سوچ سمجھ کر ان آنکھوں پہ نظر کرنا	۱۳
۱۸	یاں کا ہر ذرہ ہے بڑھ کر پارۂ دل سے مجھے	۱۴
۱۹	اب تاب نہیں دل کو اے جلوۂ جانانہ	۱۴
۲۰	مشکلِ نزع کا آسان تھا آساں ہونا	۱۵
۲۱	بھلا کیا پوچھئے اس سے حقیقت شام ہجراں کی	۱۵
۲۲	آیا چہ صبا بردہ زیں سمت زموئے تو	۱۶
۲۳	ذوق الفت ہے تو پتھر کا کلیجہ کیجئے	۱۶
۲۴	دل نے پائی ہے بقا خود کو فنا کرنے کے بعد	۱۷
۲۵	داد جس کی نہیں ایسی کوئی بیداد نہیں	۱۸
۲۶	کبھی گر مہرباں مجھ پر مرا نامہرباں ہوگا	۱۹
۲۷	دلم شگفتہ یک تیر میہماں کردم	۲۰
۲۸	جزائیں ترانہ سرائم نہ زینہار دگر	۲۰

نمبر شمار		صفحہ
۲۹	آثار فصل گل کے نمودار ہو گئے	۲۱
۳۰	ہم اس طور حسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے	۲۱
۳۱	سمٹ کے عالم کا نور زاہد مری جبینِ نیاز میں ہے	۲۲
۳۲	غور کیا اے کاتبِ قسمت دمِ تحریر ہے	۲۳
۳۳	ہے دل بھی یونہی بے نام و نشاں الفت کی منزل میں	۲۴
۳۴	اک نظر اپنے شہیدوں پہ کئے جاتے ہیں	۲۵
۳۵	جلوے دیکھے تھے وہ کب چشمِ تمنائی نے	۲۵
۳۶	کیا جانے حال وہ چمنِ روزگار کا	۲۶
۳۷	یہ سچ ہے ترا تیرِ قاتل یہی ہے	۲۷
۳۸	کون جانے کس کے پیمانہ میں کتنا جوش تھا	۲۷
۳۹	مر کر بھی نہ گر ہم کو کچھ پاس وفا ہوتا	۲۸
۴۰	کیوں ہو کے محو دید نہ دیکھا کرے کوئی	۲۸
۴۱	مجھ پہ ہیں اے سنگِ در احساں تری تاثیر کے	۲۹
۴۲	جلوہ فگن ہیں عارضِ جاناں شراب میں	۳۰
۴۳	دستِ جنوں کہاں یہ ترا آستاں کہاں	۳۱
۴۴	ادا جو ہوتی ہے وہ لاجواب ہوتی ہے	۳۲
۴۵	اب نہ وہ شغلِ جبیں سائی نہ وہ سر رہ گیا	۳۳

نمبر شمار		صفحہ
۴۶	مزے حاصل ہیں یہ مجھ کو جنونِ فتنہ ساماں سے	۳۳
۴۷	سنگ در تھا اور میرا سجدۂ شکرانہ تھا..	۳۴
۴۸	ازل میں کس نے دیکھا تھا مجھے یہ مہرباں ہو کر.. ..	۳۵
۴۹	اب بھی نہیں ہیں پیچ کم گیسوے تابدار میں	۳۶
۵۰	نہیں کچھ حاجتِ ساماں جنونِ فتنہ ساماں کو.. ..	۳۷
۵۱	جو تم چاہو تو اک دم میں نظامِ دو جہاں بدلے ..	۳۷
۵۲	کوئی دیار محبت میں غمگسار نہیں	۳۸
۵۳	قیامت ہے شکن آجائے گر ابروے جاناں پر ..	۳۹
۵۴	کٹ گئی اب رات سورج کی کرن آ ہی گئی ..	۴۰
۵۵	بیکسوں کا بھی ٹھکانا اہل گلشن ہو گیا	۴۱
۵۶	سخت پتھر ایسے جن پر بس نہیں فولاد کا	۴۲
۵۷	موت ہے نام دوسرا تیرِ نگاہِ یار کا..	۴۳
۵۸	حسرتیں ایک طرف اک طرف ارماں ہوں گے ..	۴۴
۵۹	جو دو باتیں کبھی ان سے ہوئی تھیں دو بدو میری ..	۴۴
۶۰	فردوس سے مطلب نہ مجھے عرش بریں سے ..	۴۵
۶۱	ہوئی ہے جس سے بنا طور کے فسانے کی	۴۶

نمبر شمار		صفحہ
۶۲	ہم نے تو ایک یہی زیست کا حاصل سمجھا	۴۷
۶۳	رہ گئے ہم تو بس اسی کوششِ امتیاز میں	۴۸
۶۴	پھری جاتی ہے کیوں آخر نگاہِ مہرباں ہم سے	۴۸
۶۵	مبارک ہو انھیں جو کوچۂ قاتل سمجھتے ہیں	۴۹
۶۶	کسی کے دل کی امیدیں دراز رہنے دے	۵۰
۶۷	کہاں ہیں آ کے دیکھیں ہمتِ دل دیکھنے والے	۵۱
۶۸	ساقیا ایسی پلا دے مئے سر جوش مجھے	۵۱
۶۹	جب کسی شے کا اعتبار نہیں	۵۲
۷۰	ابروؤں پر شکن ہنوز اے مرے نوجواں نہیں	۵۲
۷۱	دل و جگر ہیں اگر نوکِ نیشتر کے نثار	۵۴
۷۲	ہو مریضِ ہجر کی خیر آج اسے ڈر ہے رات کے نام سے	۵۵
۷۳	الٰہی میری دنیا درد سے معمور ہو جائے	۵۶
۷۴	ہو ان کی نگاہ کرم مجھ پر ایسی تو کوئی تدبیر نہیں	۵۷
۷۵	ایک حسرت ہے نظر میں ایک ارماں دل میں ہے	۵۷
۷۶	محبت ہو جسے تیغ و سناں سے	۵۸
۷۷	ہم اپنی زندگی کا راز بس اتنا سمجھتے ہیں	۵۹

نمبر شمار		صفحہ
۷۸	حد جہاں ملتی ہے آبادی سے ویرانوں کی	۵۹
۷۹	چمن سے ہٹ کے اپنا آشیاں ہے	۶۰
۸۰	ادھر بھی اک نظر اے ابروے خمدار ہو جائے ..	۶۲
۸۱	زمین و آسماں میرا ہے یہ کون و مکاں میرا	۶۲
۸۲	پھر تو دنیا بہ خدا جانے کہے کیا مجھ کو	۶۴
۸۳	وہ حسن حسن تھا جو بے نقاب ہو نہ سکا	۶۵
۸۴	قید ایسی ہو تو کیوں قید سے دل شاد نہ ہو	۶۶
۸۵	صرف میں اتنی بات پہ لایق امتیاز ہوں	۶۷
۸۶	یونہی کچھ ہنگامہ آرائی سہی	۶۸
۸۷	کبھی ہم اس طرح بھی تیرا جلوہ دیکھ لیتے ہیں ..	۶۸
۸۸	اب وہ ساقی اب وہ بادہ اب وہ پیمانے کہاں ..	۶۹
۸۹	متفرق اشعار	۷۰
۹۰	سر تیج بہادر سپرو پریوی کونسلر	۸۱
۹۱	نواب صاحب چھتاری	۸۳
۹۲	تعلیمی کانفرنس	۸۴
۹۳	منصوری	۸۶

نمبر شمار		صفحہ
۹۴	تعلیمی کانفرنس	۸۷
۹۵	لسان العصر حضرت اکبر مرحوم	۹۱
۹۶	منصوری	۹۴
۹۷	دلِ ناداں	۹۶
۹۸	مَیکدہ	۹۸
۹۹	طوفان	۹۹
۱۰۰	شامِ غم	۱۰۰
۱۰۱	ساقی نامہ	۱۰۱

زمانے بھر میں ہے اسکا جلوہ
کبھی کسی جا کبھی کسی جا !

Call No.
Acc. No.
Date

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

دِل

مشاعرہ راجہ پور جولائی ۱۹۱۸ء

بچے گا دل نہ گیسوئے دوتا سے
یہ ہم سمجھے ہوئے تھے ابتدا سے
خرامِ ناز اِتنا تو ہو دلکش
لپٹ جائیں نگاہیں نقشِ پا سے
تمنّا ہیں جگر کو خون رکھنا
کوئی پوچھے دلِ برگِ حنا سے

مشاعرہ دوندی پور فروری ۱۹۱۹ء

باندھے کماں جو آپ سا ابرو کماں رہے
پہلو میں لے کے دل کوئی کہئے کہاں رہے
کمسن ہیں وہ ابھی دلِ مضطر کشش ہے شرط
ناوک بہک نہ جائے جو ہلتی کماں رہے
تھا بار گوش قصّۂ غم آج کس لئے
مجھ کو یہ حکم ہے کہ وہی داستاں رہے
اچّھا نہ سُنئے آپ ابھی خیر تو سہی
خود آپ کی زباں پہ مری داستاں رہے
اچّھا یہی سمجھ کے نہ تربت مری مٹاؤ
میرا اگر نہیں تو تمھارا نشاں رہے
آجائیں وہ تو ایک نظر دیکھ کر مروں
یارب رگوں سے کھچ کے اِن آنکھوں میں جاں رہے
ماجدؔ نہ ترک وضع وفا آپ کیجئے
اس کا ملال کیا جو کوئی بدگماں رہے

مشاعرہ دائرہ شاہ اجمل جولائی ۱۹۱۹ء

کچھ بھی پسند خاطرِ شوریدہ سر نہ تھا
صحرا میں کچھ نہ تھا کہ ترا سنگِ در نہ تھا
ناوک نکالنا تجھے اے چارہ گر نہ تھا
اتنا برا مجھے مرا دردِ جگر نہ تھا
تیور بدل گئے تو میں خاموش ہو گیا
ورنہ فسانۂ شبِ غم مختصر نہ تھا
ماجد کو آج تکیۂ زانو یہ کیا ضرور
کل تک تو آستاں کے بھی قابل یہ سر نہ تھا

* * *

ستمبر ۱۹۱۹ء

خلش اب تک ہے یوں دل میں نگاہِ ناز پرور کی
کہ نشتر کی جگہ جیسے کھٹک باقی ہو نشتر کی
اِدھر بھی دیکھ لے ترچھی نظر سے دیکھنے والے
رگِ دل منتظر ہے دیر سے مژگاں کے نشتر کی
جوابِ خط لئے آتا ہے لے اے دل مبارک ہو
صدا ہی دوسری ہے آج پروازِ کبوتر کی

* * *

مشاعرہ ہندو بورڈنگ ہاؤس دسمبر ۱۹۱۹ء

کیا بات تھی معلوم نہیں اُن کی نظر میں
اِک پھانس سی چُبھتی ہے اُسی دن سے جگر میں
ان کی نگہِ خاص کا ممنون بہت ہوں
دل میں ہیں کئی زخم کئی زخم جگر میں

ہنگام رہائی یہ کھُلا راز رہائی
اب طاقتِ پرواز ہی باقی نہیں پر میں
مَاجد کے لئے کیا تبر و تیغ کی حاجت
اک آن تمھاری ہے بہت اس کی نظر میں

* * *

مشاعرہ آکسفورڈ اینڈ کیمرج ہوسٹل دسمبر ۱۹۱۹ء

اِک نظر دیکھے جو عالم تری رعنائی کا
دل نہ ٹھہرے کبھی پہلو میں تماشائی کا
ہاں پھر اِک بار اسی حسن سے ہاتھ اُٹھ جائیں
واسطہ آپ کو خود آپ کی انگڑائی کا

خون بہتا ہوا ماتھے سے گریباں ٹکڑے
قابلِ دید ہے عالم ترے سودائی کا
جب چلا اُٹھ کے تو اک خلقِ خدا ساتھ چلی
اک تماشا ہے بپا تیرے تماشائی کا
شام آئی ہوا بیمارِ محبّت بیکل
سامنا ہے پھر اُسی عالمِ تنہائی کا
اُٹھ گیا آج زمانے سے مریضِ غمِ ہجر
سو گیا جاگنے والا شبِ تنہائی کا
شعر کہتے ہو جو ماجد تو اثر لے کے کہو
ورنہ کیا لُطف فقط قافیہ پیمائی کا

مشاعرہ لاہوسٹل

دیکھیں کیا کیا حسرتیں نکلیں دلِ نخچیر کی
دھوم سے ہے آمد آج اُن کے تیر کی
پیشوائی کو بڑھا جاتا ہے اپنا دردِ دل
خانۂ دل میں جو آمد ہے تمھارے تیر کی

یا نہ جا اس دشت سے یا ساتھ لیتا چل مجھے
مجھ سے کہتی ہے زباں ہر خار دامنگیر کی
دل تڑپ اٹھا در و دیوارِ زنداں کے لئے
جب کبھی یاد آگئی اُتری ہوئی زنجیر کی
دل دھڑکتا ہے الٰہی خیر دیوانے کی ہو
آج دو دن سے صدا موقوف ہے زنجیر کی
کھا کے کچھ چپکے سے اچھا تو ہے ماجدؔ سو رہو
کیوں رہے تکلیف ان کو نالۂ شبگیر کی

مشاعرہ محمڈن بورڈنگ ہاؤس

وہی سمجھے دلِ عاشق کی حالت شامِ ہجراں میں
کبھی کشتی کو جس نے ڈوبتے دیکھا ہو طوفاں میں
شکایت مٹ گئی بے مائگیِ خارِ صحرا کی
ترے وحشی نے جس دن سے قدم رکھا بیاباں میں
الٰہی خیر ہو بیمار ابھی سے آج بیکل ہے
نہاں ہے کونسی شب آج اُس کی شامِ ہجراں میں

کہے دیتی ہے گویا بے کہے سب حالِ منزل کا
کچھ ایسی یاس ہے شمعِ سرِ گورِ غریباں میں
کریگا پیشِ داور کس طرح انکار اے قاتل
تری تصویر ہے ہر قطرۂ خونِ شہیداں میں

* * *

مشاعرہ بر مکان بابو اننت لال صاحب وکیل ۸ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

دل دے کے عجب غم میں گرفتار رہا میں
بگڑا کئی بار اور کئی بار بنا میں
اپنی تو اسی طور رہِ عشق میں گزری
بن بن کے مٹا صورتِ نقشِ کفِ پا میں
ویرانۂ دل آج سے آباد تو ہو گا
اے دردِ محبّت ترا ممنون ہوا میں
حسرت لئے آیا تھا بڑی آس لگائے
حسرت ہی لئے آپ کی محفل سے اُٹھا میں
اللہ ری نیرنگیِ دنیائے محبّت
جتنا ہی کہ مٹتا گیا اُتنا ہی بنا میں

مشاعرہ ۲۴ ؍ اپریل ۱۹۲۰ء

جگر کو دیکھتے یا دل کو پیکاں سے جدا کرتے
ترے زخمی نہ اپنی جان سے جاتے تو کیا کرتے
ازل ہی سے جگہ جب اُنکی خاطر تھی مرے دل میں
تو پھر کیوں کر تمھارے ناوکِ مژگاں خطا کرتے
تمنّائے دلِ وحشی کی اپنے بس یہی حد ہے
کہا کرتے ہم اپنا حالِ دل اور تم سُنا کرتے
شہیدِ ناز کی چھوٹی سی اک تربت بنا لیتے
کہیں پاتے تو اپنے دل کے ٹکڑے ایک جا کرتے

مشاعرہ ۶ ؍ نومبر ۱۹۲۰ء

پھر بہار آئی جنوں کے لئے ساماں ہو جائے
چھیڑ آپس میں کچھ اے دست و گریباں ہو جائے
کس زباں سے مَیں کہوں ہجر کی ایذا اس سے
مجھ سے جو آنکھ ملاتے ہی پشیماں ہو جائے

دلِ وحشی کا اثر اب تو یہاں تک پہنچا
بیٹھ جاؤں جو چمن میں تو بیاباں ہو جائے
سوزشِ عشق وہ کیا جو نہ جلادے دل کو
داغ وہ کیا جو نہ سینے سے نمایاں ہو جائے
پڑ رہی ہیں مرے زخموں پہ نگاہیں ماجد
عرصۂ حشر میں کوئی نہ پشیماں ہو جائے

مشاعرہ مسلمان بورڈنگ ہاؤس ۶ر فروری ۱۹۲۱ء

پھر سرِ بام کوئی جلوہ نما ہوتا ہے
قصۂ طور زمانے میں نیا ہوتا ہے
سچ بتانا کہ ترے باغ کے آزادوں میں
ہم اسیروں کا بھی کچھ ذکرِ صبا ہوتا ہے
منزلِ عشق وہ منزل ہے کہ اس میں ماجد
ایک بس دردِ جگر راہ نما ہوتا ہے

مشاعرہ بر مکان سخاوت علی صاحب راجہ پور

اس قدر میں نے اُٹھائیں لذّتیں بیداد کی
اُن کے دل کو رہ گئی حسرت مری فریاد کی
رات جو میں نے قفس میں چونک کر فریاد کی
کروٹیں بدلا کیا نیند اُڑ گئی صیّاد کی
کُنجِ تنہائی میں اس کا دم غنیمت جان کر
مَیں مناتا ہوں کہ یارب خیر ہو صیّاد کی
مدّتیں گذریں مریضِ ہجر دنیا سے گیا
آج اک بھولی ہوئی بات آپ نے کیوں یاد کی
نام تیرا لے کے چپ بیٹھے ہیں دیوانے ترے
ورنہ کیا روکیں گی ان کو بیڑیاں فولاد کی
غُل ہے ماجد کا جنازہ اس طرف سے جائیگا
دھوم ہے آج اُن کے کوچے میں مبارکباد کی

یکم

مشاعرہ دریاآباد یکم اگست سنہ ۱۹۲۱ء

کچھ عجب اندوہ و حسرت میں دلِ ناکام ہے
دشتِ غربت، دورِ منزل، اور وقتِ شام ہے
کوئی آئے تو کبھی گورِ غریباں کی طرف
تربتِ عاشق بتانے کو چراغِ شام ہے
سر جھکائے سوچ میں بیٹھے ہیں سب تیماردار
قابلِ عبرت مریضِ غم کی صبح و شام ہے
غش سے فرصت ہی نہیں اب تو ترے بیمار کو
ہاں مگر سن کر جسے چونکے وہ تیرا نام ہے
رو رہا ہے کون لے کر اپنے دیوانے کا نام
آج پچھلی شب سے زنداں میں یہ کیا کہرام ہے

مشاعرہ آکسفورڈ اینڈ کیمبرج ہوسٹل الہ آباد ۱۴ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

کچھ سمجھ کر داستانِ درد کے آغاز سے
بولے وہ مطلب ہی کیا ہم کو کسی کے راز سے

جانے کیا دیکھا اسیرانِ قفس نے خواب میں
ہل گیا صیّاد کا گھر درد کی آواز سے
بند کیں آنکھیں سوئے در دیکھ کر بیمار نے
ہل گئے دل سب کے اس فریاد بے آواز سے

مشاعرہ محمڈن بورڈنگ ہاؤس ۴؍ فروری ۱۹۲۲ء

تیرِ نظر پہ ہر دم جس دل کا امتحاں ہو
کوئی بتا دے تربت اس کی کہاں کہاں ہو
کچھ دیر اور یونہی قاتل چڑھی کماں ہو
خالی جگہ نہ کوئی زخموں کے درمیاں ہو
ایسے کسی چمن میں اے کاش آشیاں ہو
اپنی جہاں زمیں ہو اپنا ہی آسماں ہو
تاریک اُس کے آگے کیونکر نہ اک جہاں ہو
جس کا کہ شام ہوتے برباد آشیاں ہو
صیّاد میرے پر بھی رکھ دے وہیں تو جا کر
جس جا چمن میں کچھ کچھ اُٹھتا ہوا دھواں ہو

ہنگام شام آتا ہے پردہ پوش کوئی
شمعِ مزار تو ہی اِس دم مری زباں ہو
اک بوند ہی سہی گو لیکن وہ گُل پہ کیوں ہو
بُلبل کے دل پہ شبنم اِتنی نہ کیوں گراں ہو
نیچی نگاہیں کوئی بے اختیار اُٹھا دے
دلچسپ آج اے دل اتنی تو داستاں ہو
وہ پوچھتے ہیں ماجدؔ کیونکر بتائیں اُن سے
پوشیدہ ہو جو دل میں رُخ سے مگر عیاں ہو

مشاعرہ بر مکان راجناتھ صاحب مارچ ۲۲ء

کچھ سوچ سمجھ کر ان آنکھوں پہ نظر کرنا
آسان نہیں اے دل تیروں میں گزر کرنا
دو لفظ میں افسانہ ہے اپنی شبِ غم کا
جلنا تپِ فرقت میں مر مر کے سحر کرنا
پھر آج تلک ماجدؔ آئی نہ ہنسی لب پر
اک موت ہوئی ہم کو اس رُخ پہ نظر کرنا

مشاعرہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۲ء

یاں کا ہر ذرّہ ہے بڑھ کر پارۂ دل سے مجھے
کیوں اُٹھاتے ہو زمینِ کوئے قاتل سے مجھے
دل بڑھا جاتا ہے موجوں کا تلاطم دیکھ کر
ذوقِ غم کھینچے لئے جاتا ہے ساحل سے مجھے
اِک لہو کی بوند ماؔجد اور یہ دُنیائے عشق
کس طرح حیرت نہ ہو گنجائشِ دل سے مجھے

اب تاب نہیں دل کو اے جلوۂ جانانہ
لِلّٰہ نظر پھر اِک وہ ہوش رُبایانہ
جلوہ ترا اے ساقی یوں اُترے مرے دل میں
آنکھوں ہی سے آنکھوں میں پیمانہ بہ پیمانہ
تا زیست رہے قائم ماجد یونہی دُنیا میں
یہ طرز گدایانہ یہ مشربِ رندانہ

good poem

مشاعرہ

مشکلِ نزع کا آسان تھا آساں ہونا
دیکھ سکتا ہیں اگر اُن کا پریشاں ہونا
زحمتِ نزع بڑھا دی اِس ادا نے اُنکی
دیکھنا میری طرف اور پشیماں ہونا
داغ چمکے جو سرِ شام کوئی آ نکلا
ہے یہی تربتِ بیکس پہ چراغاں ہونا
اک زمانہ اُسے خاموش لئے جاتا تھا
ہائے وحشی کا ترے داخلِ زنداں ہونا

مشاعرہ اسلامیہ ہائی اسکول ۹؍ دسمبر ۱۹۲۲ء

بھلا کیا پوچھئے اس سے حقیقت شامِ ہجراں کی
قفس میں بیٹھ کر تصویر جو دیکھے گلستاں کی
یہ کس وحشی نے اپنے پانوں ڈالے ہیں سلاسل میں
پئے تعظیم دیواریں بڑھی آتی ہیں زنداں کی

نشاں ملتا نہیں شوریدہ سر کا دشتِ الفت میں
پتہ دیتی ہیں کچھ کچھ دھجیاں لیکن گریباں کی

آیا چہ صبا بردہ، زیں سمت ز موئے تو
شوریدہ سرے آید، مستانہ بسوئے تو
چوں ابر گہے گریاں چوں برق گہے خنداں
نغزیدہ قدم آید دیوانہ بکوئے تو
از ہستیِ ایں عالم، چیزے نہ خبر دارم
قلبِ من و یادِ تو، چشمِ من و روئے تو
از قتل منِ خستہ، بے جرم و خطا باشی
وز خون دلم بادا، در حشر وضوئے تو
تا حشر مرا دارد، سر مست بہ قبر اندر
ایں بادہ کہ نوشیدم از جام و سبوئے تو

مشاعرہ راجہ پور ۴ فروری سنہ ۱۹۲۳ء

ذوقِ الفت ہے تو پتھر کا کلیجہ کیجئے
ابتدا میں انتہا کا درد پیدا کیجئے

فیضِ دردِ عشق سے قطرے کو دریا کیجئے
ایک ہی جلوے کا ہر جانب تماشا کیجئے

کب مریضِ غم یہ کہتا ہے کہ اچھا کیجئے
ہاں مگر جیتا رہے بیمار اتنا کیجئے

ایک دل تیروں سے زخمی لے چلا ہوں حشر میں
اس کو جھوٹا کیجئے یا آپ سچا کیجئے

رہروانِ عشق کی لازم ہے ماجدؔ پیروی
جب ملے نقشِ قدم کوئی تو سجدہ کیجئے

◆

۲۶ ؍ فروری ۱۹۲۳ء

دل نے پائی ہے بقا خود کو فنا کرنے کے بعد
ابتدا سمجھے ہم اپنی انتہا کرنے کے بعد

کس طرح کوئی جیے ان کو خفا کرنے کے بعد
آج پچھتائے ہیں ہم کیا کیا گلا کرنے کے بعد

دل کو تڑپاتے ہو کیوں دردآشنا کرنے کے بعد
کیوں جفا سے ہاتھ اُٹھاتے ہو جفا کرنے کے بعد

آپ نے رکھ دی یہ کیوں زنجیر لے کر ہاتھ میں
اپنے دیوانوں میں اک محشر بپا کرنے کے بعد

شوق سے ناوک اگر تم کھینچتے ہو کھینچ لو
ہاں مگر کچھ اور دردِ دل سوا کرنے کے بعد

مختصر سی داستاں ہے یہ مریضِ ہجر کی
مر گیا وہ تیرے جینے کی دُعا کرنے کے بعد

جب نظر اُٹھی تو ماجدؔ قبر آئی سامنے
وادیِ اُلفت میں طے راہِ وفا کرنے کے بعد

داد جس کی نہیں ایسی کوئی بیداد نہیں
ہاں مرا قتل بس اک قابلِ فریاد نہیں

حوصلے والوں کی محنت کبھی برباد نہیں حسن
بے اثر آج بھی افسانۂ فرہاد نہیں

ہائے وہ غیر کو ہنستے ہوئے خنجر دینا
قابلِ ذکر مرے قتل کی روداد نہیں

تو نے چھوڑا ہے تو اِتنا بھی بتا دے صیّاد
کس طرف میرا وطن ہے مجھے کچھ یاد نہیں

اپنی ہستی بھی تھی اک خوابِ پریشاں ماؔجد
آج اگر یاد بھی کرتا ہوں تو کچھ یاد نہیں

کبھی گر مہرباں مجھ پر مرا نامہرباں ہوگا
تو پھر سننے کے قابل قصۂ دردِ نہاں ہوگا
کُھلے گی یہ زباں اپنی نہ غم کا کچھ بیاں ہوگا
مگر محشر میں ہم تم ہوں گے اور سارا جہاں ہوگا
کبھی ہم کو بھی یارب وہ اُٹھا کر آنکھ دیکھیں گے
کبھی اپنا مقدّر بھی نصیبِ دشمناں ہوگا
تو کیا جانے بھلا صیّاد قدر ان چار تنکوں کی
مری آنکھوں میں مرتے دم بھی میرا آشیاں ہوگا
یونہی غربت میں دیوانے کی اکدن جان جائیگی
کسی کو کچھ خبر ہوگی نہ کوئی رازداں ہوگا
خدا جانے جنونِ فتنہ ساماں کیا نہ دکھلائے
کہاں ٹوٹے گا دم اپنا مزار اپنا کہاں ہوگا
کسی کا تیر پہلو میں لئے محشر میں جائیں گے
یہی اپنی زباں ہوگی یہی اپنا بیاں ہوگا

نہ چپ ہو جاؤ یوں شیشہ کوئی ٹکڑے اگر دیکھو
کہ اتنے ہی پہ تم سے اک زمانہ بدگماں ہوگا
وہ دن آتا ہے جب ہم ہونگے زیرِ خاک اے ماجد
فقط اک نام اپنا زیبِ بزمِ دوستاں ہوگا

۷؍ اکتوبر ۱۹۲۳ء

دلم شگفتہ یک تیر میہماں کردم
نگاہِ نازِ ترا اندرونِ جاں کردم
بہ نزع چوں سرِ بالین من بیامد دوست
دہن بہ بستم و ہر موئے را زباں کردم
زہر دمے بہ دلم جانِ تازہ می آید
بہ تیغ حسن تو صد بار امتحاں کردم
حدیث روئے تو زیں بیشتر نمیدانم
نگاہے بود ز چشمت کہ داستاں کردم
بہ آستانِ تو اے جاں نصیب شد تربت
بخاک رفتم و یک عمرِ جاوداں کردم
بہ قبرِ ماجدِ بے چارہ چوں گزر افتاد
ز جورِ حسنِ بتاں ذکر بیکساں کردم

جز ایں ترانہ سرایم نہ زینہار دگر
کہ ہر سحر بچمن آیدت بہارِ دگر
حریصِ بوسۂ چشمِ تو ام بخواہم گفت
ہزار بار دگر صد ہزار بار دگر

کجا رود ز درت ماجدِ جگر افگار
جز آستانِ تو دارد نہ او قرار دگر

غزل مشاعرہ انٹرمیڈیٹ کالج ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۲۳ء

آثار فصلِ گُل کے نمودار ہو گئے
دیوانے تیرے خواب سے ہشیار ہو گئے
اُن سے نظر ملا کے بس اتنا ہی یاد ہے
دو تیر تھے کہ دل سے مرے پار ہو گئے
سمجھے تھے اُن کو دیکھ کے ہو جائیگا سکون
دیکھے سے اُن کے اور بھی بیمار ہو گئے
ماجد تو صرف سمجھے ہیں اِتنا ہی رازِ عشق
جو بے خبر ہوئے وہ خبردار ہو گئے

مشاعرہ محمڈن بورڈنگ ہاؤس ۲۶ نومبر ۱۹۲۳ء

بہم اس طور حسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے
قیامت والے میرا دل اور اُن کا تیر دیکھیں گے

پسِ مردن بھی شانِ عشق خوش تدبیر دیکھیں گے
وہ میرے بعد میری خاک دامنگیر دیکھیں گے
مَیں اپنا رازِ مرگِ غم امانت چھوڑے جاتا ہوں
سمجھ لیں گے وہ مجھ کو جو مری زنجیر دیکھیں گے
ملا کر آنکھ جس کو اک نظر تم دیکھ لیتے ہو
وہ کہتا ہے قیامت تک یہی تصویر دیکھیں گے
بنا دوں گا تمھارے سنگِ در کو رشکِ آئینہ
اسی پتھر میں سب میرا خطِ تقدیر دیکھیں گے

V. Good.

۲۷ نومبر ۱۹۲۳ء ✓

بہت اچھی!

سمٹ کے عالم کا نور زاہد میری جبینِ نیاز میں ہے
ازل سے افسانۂ قیامت کسی کی زلفِ دراز میں ہے
بس اک یہی راز مستقل ہے جہاں میں گر ہے تو بس یہ دل ہے
جو کچھ بھی ہے دل میں آدمی کے وہ صرف دل کے گداز میں ہے
ازل سے ہے ایک ربطِ پنہاں کوئی گدا ہو کہ بادشہ ہو
وہی ہے محمود کی جبیں پر شکن جو زلفِ ایاز میں ہے

زمانے بھر میں ہے اس کا جلوہ کبھی کسی جا کبھی کسی جا
کبھی ہے بالائے طورِ سینا کبھی دیارِ حجاز میں ہے
ازل کے نغمے ہیں اب بھی جاری سُنے اگر گوش دل سے کوئی
چھڑے ہیں اب تک وہی ترانے جہاں اسی سوز و ساز میں ہے
ہر ایک برگ و گل و ثمر کو نگاہ کامل سے دیکھو ماجد
عجیب اِک عالمِ حقیقت نہاں حجابِ مجاز میں ہے

* * *

مشاعرہ کلیانی دیہی

مشاعرہ کلیانی

غور کیا اے کاتبِ قسمت دمِ تحریر ہے
ایک سنگِ در سے بھی کم کیا مری تقدیر ہے
فصل گُل آئی جنوں کا جوش دامنگیر ہے
اب نہ وہ قفلِ درِ زنداں نہ وہ زنجیر ہے
کی نہ پروا تم نے جس خاکِ دلِ برباد کی
کہہ رہی ہے آج اک دنیا وہی اکسیر ہے
اہلِ دل کے کارنامے مٹ سکیں یہ کیا مجال
آج تک بھی موجزن ہر دل میں جوئے شیر ہے

آج زنداں میں کوئی رو رو کے پڑھتا ہے اسے
جا بجا سُرخی سے دیواروں پہ جو تحریر ہے
یوں کھڑا ہے عرصۂ محشر میں سودائی ترا
ایک میں زنجیر ہے اِک ہاتھ میں تصویر ہے
شب کو دیکھا تھا کہ تو نے آشیاں پھونکا مرا
بول اے صیّاد کیا اس خواب کی تعبیر ہے
رحمتِ حق سے قیامت میں نہ شرمانا پڑے
حضرتِ ماجد ابھی گنجائش تقصیر ہے

◆

مشاعرہ کرسچین کالج الہ آباد

ہے دل بھی یونہی بے نام و نشاں الفت کی منزل میں
پہنچ کر ڈوب جائے جس طرح ہر موج ساحل میں
ازل میں جو چُھپا پیکاں قیامت تک رہا دل میں
ہماری ابتدا اور انتہا تھی دست قاتل میں
زمیں بھی آسماں ہے امتحاں گاہِ محبّت کی
زرا اے دل سنبھل کر پانوں رکھنا کوئے قاتل میں

وہ بیڑی کاٹنے بیٹھے ہیں میرا دل دھڑکتا ہے
سفینہ ڈوبتا ہے یا خدا دامانِ ساحل میں

مشاعرہ ڈی۔ اے۔ وی اسکول

اک نظر اپنے شہیدوں پہ کئے جاتے ہیں
سرِ محشر لبِ فریاد سئے جاتے ہیں
کل مری قبر کا دنیا سے نشاں مٹتا تھا
آج ذرّے مرے دامن میں لئے جاتے ہیں
لذّتِ زیست سے دل سیر ہے اب تو ماجدؔ
یہ بھی ہے ایک مصیبت کہ جئے جاتے ہیں

مشاعرہ لکھنؤ

جلوے دیکھے تھے وہ کب چشمِ تمنائی نے
جو سرِ حشر دکھائے دلِ سودائی نے
دشت میں بھی اُسے جا جا کے صبا نے چھیڑا
چین پایا نہ تری زلف کے سودائی نے

عمر بھر جن کو نہ سمجھانے سے بھی ہم سمجھے
راز کھولے وہ سب اک موت کی انگڑائی نے

جتنی اس دہر میں پھیلی ترے گیسو کی شمیم
اُتنی عالم میں جگہ کی مری رسوائی نے

مختصر یہ ہے کہ اللہ کسی کو نہ دکھائے
جو دکھایا مجھے میری شبِ تنہائی نے

مشاعرہ کرنیل گنج اسکول

کیا جانے حال وہ چمنِ روزگار کا — گذرے جسے قفس میں زمانہ بہار کا
آنکھوں سے جب قفس میں ٹپکنے لگا لہو — سمجھے یہ ہم کہ آگیا موسم بہار کا
تم بھی تو اک نگاہ بگولوں کو دیکھ لو — ماتم بپا ہے ایک غریب الدیار کا
(جو میں نہ کہہ سکا وہ سب اشکوں نے کہہ دیا — ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا) لمحہ

ماجد تمھیں ملایا تھا کل جس نے خاک میں
جویا وہی ہے آج نشانِ مزار کا

یہ سچ ہے ترا تیر قاتل یہی ہے
مگر میرے دل کا بھی حاصل یہی ہے

یہ سنتے رہے عمر بھر بحرِ غم میں
ذرا بڑھ چلو اور ساحل یہی ہے

دکھا کر کوئی شمع و پروانہ بولا
مری بزم میں مدّت دل یہی ہے

جہاں بھی انھیں اک نظر دیکھ پایا
مَیں سمجھا کہ بس میری منزل یہی ہے

غضب تھا مری قبر پر اُن کا کہنا
کہ اس دہر میں نقش باطل یہی ہے

کھڑے ہیں وہ گورِ غریباں میں حیراں
بتا دے کوئی تربتِ دل یہی ہے

خدا کے لئے کھولدو اپنے گیسو
تمھارے مسافر کی منزل یہی ہے

گری مجھ پہ بجلی تو پروانہ بولا
کہ اس بزم میں رنگ محفل یہی ہے

کون جانے کس کے پیمانے میں کتنا جوش تھا
اک نظر ساقی نے دیکھا تھا کہ مَیں مدہوش تھا

راز داری کی امنگیں عشق میں اچھی نہیں
کیوں نہ جلتا طور کا دامن بھی پردہ پوش تھا

بچ کے نکلے تھے مری خاکِ لحد سے وہ مگر
بعد مُردن بھی مرے ذرّوں کو کچھ ہوش تھا

◆

راجپور

مر کر بھی نہ گر ہم کو کچھ پاسِ وفا ہوتا
ہر ذرّے سے ان کا اک افسانہ کہا ہوتا

دو پھول اسیروں کو دکھلانے سے پہلے ہی
صیّاد نتیجہ تو کچھ سوچ لیا ہوتا

دیوانہ بنائے کیا خود حال جبیں سائی
پتھّر سے کبھی میرا افسانہ سُنا ہوتا

مَے خانے میں ہو جاتی گردش جو اِن آنکھوں کو
گہہ دَور بقا ہوتا گہہ دَور فنا ہوتا

تھی چھیڑ بُری آخر دردِ دلِ ماجد سے
ورنہ جو ہوا کیوں وہ انجام ہوا ہوتا

کیوں ہو کے محوِ دید نہ دیکھا کرے کوئی
تم سا جو سامنے ہو تو پھر کیا کرے کوئی

کس طرح اپنے دل کو سنبھالا کرے کوئی
عالم نظر سے جب تہ و بالا کرے کوئی

کہہ کر یہ بجھ گئی شبِ غم شمع زندگی
اب مجھ کو تا بہ حشر جلایا کرے کوئی

ہوتی ہے اک چمک سی میرے دل میں دوستو
شیشوں کے ٹوٹنے کا نہ چرچا کرے کوئی

مشاعرہ بسمل صاحب ۳۰ مئی ۲۵ء

مجھ پہ ہیں اے سنگ در احسان تری تاثیر کے
خط ہوئے سیدھے مری اُلٹی ہوئی تقدیر کے

دل میں یوں جلوے سمائے آپ کی تصویر کے
خود بخود مجھ کو مزے آنے لگے تقریر کے

آنکھ ملتے ہی سراپا درد ہم تو بن گئے
اللہ اللہ کتنے پہلو ہیں تمھارے تیر کے

قید غم کی سختیاں سہ سہ کے ہم تو چل بسے
آج تک تازہ ہیں افسانے مگر زنجیر کے

اہل دل چاہیں تو سُن لیں اب بھی حالِ کوہکن
کہہ رہے ہیں کچھ لبِ خاموش جوئے شیر کے

چارہ ساز و نزع میں ماتھے پہ میرے بل نہیں
مختصر فقرے ہیں میری آخری تحریر کے
رحمتِ باری نے ماؔجد مجھ کو وہ رتبہ دیا
حشر میں ہیں جا بجا چرچے مری تقصیر کے

مشاعرہ اسلامیہ اسکول

جلوہ فگن ہیں عارضِ جاناں شراب میں
دو چاند ساتھ ساتھ ہیں ایک آفتاب میں
نظریں اُٹھیں کسی کی جو حسنِ عتاب میں
دو بجلیاں در آئیں دلِ کامیاب میں
سارا جہان ان کو ازل میں عطا ہوا
اور ایک دل ملا ہمیں سب کے جواب میں
اک روشنی سی اشکِ ندامت میں آ چلی
توبہ قبول ہو گئی اُس کی جناب میں
وہ دل مرا جو سب کی نظر سے گرا رہا
محشر میں ہے وہی نگہِ انتخاب میں

کلیوں کی زندگی کا اِک افسانہ رہ گیا
انگڑائیوں کی موت وہ عہدِ شباب میں
موسیٰ کی ایک بات بھی ٹالے نہ ٹل سکی
سچ ہے کہ حُسن رہ نہیں سکتا حجاب میں
یہ کون سامنے ہے تمھیں سوجھتا نہیں
ماؔجد انھیں بھی بھول گئے اضطراب میں

مشاعرہ جعفر علی خاں صاحب اثرؔ

دشتِ جنوں کہاں یہ ترا آستاں کہاں
مجھ کو لئے پھرا دلِ وحشی کہاں کہاں
چھُٹ کر قفس سے بھی مَیں گلستاں میں غیر ہوں
یہ بھی نہیں ہے یاد کہ تھا آشیاں کہاں
ذرّے مری لحد کے کچھ ابتک ہَوا میں ہیں
ورنہ وہ میری بھولی ہوئی داستاں کہاں
آتے ہی اُن کے ہائے دم آنکھوں میں آگیا
بیمارِ غم کی بند ہوئی ہے زباں کہاں

بیٹھے ہیں مجھ سے روٹھ کے پہلو میں غیر کے
لیتے ہیں میرے درد کا وہ امتحاں کہاں
ہر ہر نفس میں کھلتے ہیں سو سو طرح کے پھول
ماجد ریاضِ نظم میں اپنے خزاں کہاں

* * *

ادا جو ہوتی ہے وہ لاجواب ہوتی ہے
عجیب حالتِ مستِ شباب ہوتی ہے
good نمود حسن ہے یوں ان کے روے رنگیں میں
شعاع جیسے کوئی زیرِ آب ہوتی ہے
ہزار لب ہوئے جاتے ہیں بند محشر میں
کسی کی ایک نظر کامیاب ہوتی ہے
بگولے اُٹھتے ہیں رہ رہ کے دشت وحشت میں
یہ کس غریب کی مٹی خراب ہوتی ہے

* * *

غزل مشاعرہ کرسچین کالج

اب نہ وہ شغلِ جبیں سائی نہ وہ سر رہ گیا
عمر بھر کی داستاں کہنے کو پتّھر رہ گیا
لُطف دردِ زخم باقی تا بہ محشر رہ گیا
تیر کھینچ کر بھی مرے سینے کے اندر رہ گیا
آسماں پر اس طرف نکلا ستارہ صبح کا
داغ فرقت اس طرف دل میں چمک کر رہ گیا
حشر میں کچھ کہنے سُننے کی نہ گنجائش رہی
ظلم بھی ان کا مرے دل کے برابر رہ گیا
ہو گئے ماجد جنونِ و عشق کے قصّے تمام
سنگ طفلاں رہ گئے اب اور مرا سر رہ گیا

مشاعرہ منصوری جون ۱۹۲۵ء

مزے حاصل ہیں یہ مجھ کو جنونِ فتنہ ساماں سے
کیا کرتا ہوں باتیں اپنے داماں و گریباں سے

خدا جانے یہ کس کو بیکسوں کی یاد آئی تھی
ستارے سے کچھ اُٹھے رات کو گورِ غریباں سے
جلا دیتے ہیں اب تو لوگ دن ہی سے چراغوں کو
سبق سیکھا ہے عالم نے ہماری شامِ ہجراں سے
مرا غربت میں وہ ہر ہر قدم پر پھوٹ کر رونا
پڑی تھی جو گرہ دل میں کھُلی خارِ بیاباں سے

مشاعرہ لا ہوسٹل ۱۷، نومبر ۱۹۲۵ء

سنگ در تھا اور میرا سجدۂ شکرانہ تھا
جیتے جی اپنا یہی کعبہ یہی بُتخانہ تھا
کیا تعجّب مَیں اگر مدہوش تھا دیوانہ تھا
ہر نگاہِ مست میں ساقی کی اک پیمانہ تھا
حشر کے میدان میں ایک نور تھا جلوہ فگن
غور سے دیکھا تو وہ سنگِ درِ جانانہ تھا
مَیکدے میں تھا نگاہِ مست ساقی کا یہ رنگ
چل رہا تھا دورِ مے پیمانے پر پیمانہ تھا

صبحِ عشرت ہم نے جب دیکھا نگاہِ غور سے
دفترِ صد رازِ پنہاں ہر پرِ پروانہ تھا
نزع میں ماجدؔ نے گر تم کو پکارا کیا ہوا
کیا گلہ اس کا کہ یہ اک لفظ بیتابانہ تھا

ازل میں کس نے دیکھا تھا یہ مجھ کو مہرباں ہو کر
کہ اب تک مجھ پہ گرتی ہیں وہ نظریں بجلیاں ہو کر
ہماری شامِ ہجراں جا ملی ہے صبحِ محشر سے
شبِ غم رہ گئی اپنی حیاتِ جاوداں ہو کر
کسی کے حسن کا جلوہ اثر اتنا تو دکھلائے
کہ ہے بیٹھی ہوئی محفل کی محفل بے زباں ہو کر

مشاعرہ کرسچین کالج ۳۰ نومبر ۱۹۲۵ء

اب بھی نہیں ہیں پیچ کم گیسوئے تابدار میں
میرے جنوں کو اور آپ چھیڑئیے کیوں بہار میں
داغِ جگر لئے ہوئے پھرتا ہوں لالہ زار میں
کوئی تو اپنے رنگ کا پھول ہو روزگار میں
اہلِ جہاں کو حشر میں حرص ہے معصیت کی آج
شانِ حیا کچھ ایسی ہے تیرے گناہگار میں
میرے فسانے کو ملے دو ہی ٹھکانے دہر میں
ایک غبارِ راہ میں ایک زبان خار میں
واہ رے کامیاب عشق کوہ سے نہر کاٹ کر
چین سے سو رہا ہے آج دامنِ کوہسار میں
تارے بھی جیسے ہوں رکے سانس بھی جیسے ہو تھمی
ایک کچھ ایسی کیفیت ہوتی ہے انتظار میں

غزل مشاعرہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

نہیں کچھ حاجت ساماں جنونِ فتنہ ساماں کو
دعا دیتا ہوں بیٹھا اپنے داماں و گریباں کو
وہ عزت دی مجھے صحرا نے لیکر اپنے دامن میں
ملاتا ہوں وطن کے پھول سے خارِ بیاباں کو
کب آئی کب گئی بادِ بہاری کیا خبر مجھ کو
مبارک صحبتِ گل خوش نصیبانِ گلستاں کو
اسی اک آرزو میں جان دی ہے مرنے والوں نے
کہ بھولے سے کبھی تم دیکھ لو گورِ غریباں کو
مرے دل کا فسانہ یوں بیاں ہوتا ہے محشر میں
زمانہ دیکھتا ہے مجھ کو اور میں روئے جاناں کو
کوئی پوچھے حقیقت میرے دل سے میرے اشکوں کی
کیا ہے بند ایک اک بوند میں اک ایک طوفاں کو

جو تم چاہو تو اک دم میں نظامِ دو جہاں بدلے
ذرا میری طرف دیکھو کہ رنگِ داستاں بدلے

وہ آمادہ ہیں سونے پر مَیں افسانہ سناتا ہوں
بیانِ دل کا اپنے دیکھئے پہلو کہاں بدلے
چمن کا ذکر اے صیّاد لب پر آ ہی جاتا ہے
زمانہ چاہیئے اس کو کہ قیدی کی زبان بدلے

مشاعرہ مسلم بورڈنگ ہاوس ؁۱۹۲۶ء

کوئی دیارِ محبّت میں غمگسار نہیں
ہمیں تو دردِ جگر کا بھی اعتبار نہیں
جنوں کے فیض سے باقی اب ایک تار نہیں
یہ حال اور ابھی موسمِ بہار نہیں
لبوں پہ دم ہے مرا وہ پکارتے ہیں مجھے
یہ اختیار مبارک کہ اختیار نہیں
نگاہِ ناز کے پہلو بھی اے معاذاللہ
ہزار بار جو ہاں تو ہزار بار نہیں
زمین کو بھی ہو جنبش تو یہ نہیں ممکن
گلی سے اُن کی جو اُٹھے مرا غبار نہیں

تری نگاہ کے بسمل کا کیا ٹھکانا ہے
یہ لطف اور ابھی تیر دل کے پار نہیں
ہوا بدل دی یہ عالم کی تیرے وحشی نے
کہ خارِ دامنِ صحرا میں آج خار نہیں
فرشتے لائے جو ماجد کو پیشِ داورِ حشر
پکاری رحمتِ حق یہ گناہگار نہیں

مشاعرہ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج ۱۹۲۶ء

قیامت ہے شکن آجائے گر ابروئے جاناں پر
نگاہیں کیوں ہوں یارب میرے دامان و گریباں پر
ذرا سی بات کا احساں بہت ہوتا ہے انساں پر
ہماری ایک دنیا منحصر ہے آپ کی ہاں پر
فسانہ عشق صادق کا ہوا کچھ اور پاکیزہ
ہوا تحریر جب سے حضرتِ یوسف کے داماں پر
زمانے میں یہی ہیں بیکسوں کے پوچھنے والے
جو تارے ٹوٹتے ہیں رات کو گورِ غریباں پر

ہو دل پہلو میں دل میں درد تو اے حضرتِ ماجد
وطن کے عیش صدقے لذتِ شامِ غریباں پر

مشاعرہ سید ضامن علی صاحب ۶ر نومبر ۱۹۲۷ء

کٹ گئی اب رات سورج کی کرن آ ہی گئی
آخر اک دن نوبت دار و رسن آ ہی گئی
بھول کر بھی حشر میں ہم نے نہیں دیکھا مگر
خود بخود ابروئے قاتل پر شکن آ ہی گئی
دشتِ غربت میں بھی دو گھڑیاں خوشی کی مل گئیں
خوش نصیبوں کو بھی یادِ بے وطن آ ہی گئی
اہل دل کی محنتیں ہوں رائیگاں یہ کیا مجال
خوبصورت بن کے مرگِ کوہکن آ ہی گئی

* * *

مشاعرہ کرسچین کالج الہ آباد ۷ر نومبر ۱۹۲۷ء

بیکسوں کا بھی ٹھکانا اہل گلشن ہو گیا
چار تنکوں کی عنایت سے نشیمن ہو گیا

اُن کی بزمِ ناز میں مجھ پر جو گزری کیا کہوں
اور تو ہیں اور پروانہ بھی دشمن ہو گیا

آپ نے بھی وحشیوں کے کیا بگاڑے ہیں مزاج
گُل ہنسا کوئی کہیں یاں چاک دامن ہو گیا

آج بھی ہر شے گلستاں کی ہے اپنی ہی جگہ
بار خاطر ایک میرا ہی نشیمن ہو گیا

دوش پر بادِ بہاری کے یہ آئی ہے خبر
مژدہ باد اے اہل زنداں موم آہن ہو گیا

دیکھ کر ماجد نے اُن کو سر جھکایا حشر میں
اور اِک الزام یہ بالائے گردن ہو گیا

مشاعرہ ماڈرن ہائی اسکول ۹ر نومبر ۱۹۲۷ء

سخت پتھر ایسے جن پر بس نہیں فولاد کا
اب بھی سکّہ مانتے ہیں بازوئے فرہاد کا
کب صلہ ملتا ہے ایسی محنتِ برباد کا
کوئی رستہ پوچھتا ہے تربتِ فرہاد کا
چونک اُٹھنا اور پھر تم سے ستم ایجاد کا
اور کیا ہوتا ہے دنیا میں اثر فریاد کا
داورِ محشر بھی ہے وہ بھی ہیں مَیں بھی ہوں مگر
قفل کھُلتا ہی نہیں اپنے لبِ فریاد کا
لے کے زنجیریں یہ کون آتا ہے زنداں کی طرف
قیدیوں میں شور اُٹھّا ہے مبارکباد کا
خون ناحق کوئی محشر میں چھپائے کس طرح
داغ لو دینے لگا ہے دامن جلّاد کا
آج تک دھبے نظر آتے ہیں دل میں سنگ کے
کیا ٹھکانا ہے بھلا خونِ سرِ فرہاد کا

جو کوئی ماجد کو پوچھے اس سے کہہ دینا یہی
ایک ذرّہ وہ بھی ہے خاکِ الہ آباد کا

موت ہے نام دوسرا تیرِ نگاہِ یار کا
اصل میں دونوں ایک ہیں فرق ہے اعتبار کا
بجلیاں دم بدم گریں نام ہوا بہار کا
یہ بھی عجیب ناز تھا خندۂ بار بار کا
اب تو زمانے میں یہ ہے نام مرے مزار کا
حرف غلط مٹا ہوا صفحۂ روزگار کا
ہمّت عشق کے لئے سخت بھی راہ سہل ہے
سوچنے والے سوچ لیں واقعہ کوہسار کا
کوئی خموش ہے کھڑا عرصۂ حشر میں مگر
قابلِ دید ہے سماں دامنِ تار تار کا
گالیاں پاسباں جو دے چپ رہیں تو کیا کہیں
لب بھی اُمیدوار کے دل بھی اُمیدوار کا
غم یہ خدانخواستہ ماجد خستہ کے لئے
مرنا بھی کوئی چیز ہے ایک وفا شعار کا

مسلم ہوسٹل ۱۹ر نومبر ۱۹۲۷ء

حسرتیں ایک طرف اک طرف ارماں ہوں گے
فیض سے عشق کے صحرا ابھی گلستاں ہوں گے

جا بجا سرخ نشاں جو در و دیوار پہ ہیں
بعد میرے یہی افسانۂ زنداں ہوں گے

اپنی بیداد کی رُوداد اُنھیں سے پوچھو
مرنے والے کے جگر میں ابھی پیکاں ہوں گے

جس گھڑی حشر میں فریاد کرے گی دنیا
ہم بھی تصویر خیالِ رُخِ جاناں ہوں گے

ایک اقرار کے انکار کا شکوہ ماجد
سیکڑوں عہد ابھی سیکڑوں پیماں ہونگے

ودّیا مندر ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء

جو دو باتیں کبھی اُن سے ہوئی تھیں دو بدو میری
بس اتنی بات پر پھیلی کہانی چار سو میری

یہ میدانِ قیامت اور اُن سے گفتگو میری
بھری محفل میں یارب آج رکھنا آبرو میری
یہاں تک طول کھینچا میری میعادِ اسیری نے
سمجھتا اب نہیں عالم میں کوئی گفتگو میری
گناہوں کی بھی کیا وقعت بڑھائی رحمتِ حق نے
سرِ میدانِ محشر ہو رہی ہے جستجو میری
مری محرابِ سجدہ زیرِ تیغِ ابروے جاناں
تڑپنا خون میں اپنے نمازِ بے وضو میری

کالیستھ پاٹ شالہ ۱۱؍ دسمبر ۱۹۲۷ء

فردوس سے مطلب نہ مجھے عرش بریں سے
ہے کام فقط کوچۂ جاناں کی زمیں سے
اللہ کہے کوئی یہ اُس شوخ حسیں سے
دُنیا نہ اُلٹ جائے کہیں چین جبیں سے
دم توڑنے والے پہ نظر کی جو کسی نے
ڈوبی ہوئی نبضیں پھر اُبھر آئیں وہیں سے

دنیائے محبت میں مرے دل کی کہانی
اک تازہ فسانہ ہے بیاں ہو وہ کہیں سے
آ کر سرِ محشر مری حالت کوئی دیکھے
فریاد بھی کرتا ہوں انھیں کی میں انھیں سے

ہوئی ہے جس سے بنا طور کے فسانے کی
تمھاری ایک ادا تھی وہ مسکرانے کی
کسے ہے سننے کی تاب اور کسے سنانے کی
کہ خونِ دل سے ہے سرخی مرے فسانے کی
سند نہیں ہے سرِ طور مسکرانے کی
ہمارا دل بھی ہے اک چیز آزمانے کی
٩٥٥ل جنوں کے دشت میں برباد ہیں مرے ذرّے ✓
بتا دے راہ کوئی اُن کے آستانے کی ✓
چمکتی یوں تو ہے گلشن میں برق چار طرف
مگر تلاش ہے میرے ہی آشیانے کی
جو تو کہے تو میں دو تنکے باغباں رکھ لوں
پھر اس کے آگے ہے تقدیر آشیانے کی

یَیں شب کو سنتا تھا افسانہ ہائے اہلِ قفس
کہ جا بجا تھی جھلک خود مرے فسانے کی

لمعوں

کبھی تو گورِ غریباں میں شب کو آ نکلو
بہار دیکھ لو داغوں کے جھلملانے کی

کھلا یہ رازِ محبّت پسِ فنا ماؔجد
کہ مار ڈالنا ترکیب ہے جلانے کی

ہالینڈ ہال ۱۲، نومبر سنہ ۱۹۲۸ء

ہم نے تو ایک یہی زیست کا حاصل سمجھا
دل پہ آئی تو کبھی دل کو نہ پھر دل سمجھا

تجھ کو جب تک نہیں دیکھا ترے دیوانے نے
مجمعِ حشر کو اُجڑی ہوئی محفل سمجھا

بت کی جا کیسے وہ قائل ہو خدا کا ماؔجد
عمر بھر جس نے نہ فرقِ حق و باطل سمجھا

مسلم ہوسٹل ۱۷ر نومبر ۱۹۲۸ء

رہ گئے ہم تو بس اسی کوشش امتیاز میں
موت تھی یہ کہ زندگی دیدۂ نیمباز میں

آپ کا راز بھی بھلا راز ہے کوئی راز میں
آئینوں کو تو دیکھئے جلوہ گہِ مجاز میں

داغِ جگر بھی مٹ گئے زخمِ نظر بھی بھر چلے
میرے خدا یہ انقلاب ایک نگاہِ ناز میں

خانۂ کعبہ ہو کہ وہ سنگِ درِ حضور ہو
شرط ہے بیخودی فقط میری ہر اک نماز میں

ماجد خستہ کے لئے قید نہیں ہے موت کی
روح رہے گی حشر تک بارگہِ حجاز میں

پھری جاتی ہے کیوں آخر نگاہِ مہرباں ہم سے
خفا ہے آج کیا کوئی نصیبِ دشمناں ہم سے

بچھڑ جانا بھی اپنے قافلے سے کیا قیامت ہے
نظر آتا ہے بیگانہ غبارِ کارواں ہم سے

خدا رکھے سلامت پوچھنے والوں کو دُنیا میں
کسی کا آستاں بھی ہو گیا ہے آستاں ہم سے

یہ زخمِ دل ہمارے رنگ لائیں گے قیامت میں
ہے زینت ایک عالم کی یہاں تم سے وہاں ہم سے

مآلِ زندگی حاصل ہمیں ہو جائے اے ماجد
جو سیدھی بات کر لے ایک دن بھی پاسباں ہم سے

گورنمنٹ کالج ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

مبارک ہو انھیں جو کوچۂ قاتل سمجھتے ہیں
ہم اپنی خاک تو اس خاک میں شامل سمجھتے ہیں

شہیدِ ناز کے حصے میں عمرِ جاوداں کیوں ہو
وہی یہ راز سمجھیں گے جو رازِ دل سمجھتے ہیں

نگاہِ ناز کے جلوے سمائے ایسے آنکھوں میں
کوئی محفل بھی ہو ہم تیری ہی محفل سمجھتے ہیں

چلے جب راہ میں اُس کی تو پھر تفریق کیا معنے
جہاں پر پاؤں پڑ جائے وہیں منزل سمجھتے ہیں

دلِ مضطر کی جنبش بند ہونا ہی غنیمت ہے
جہاں کشتی ٹھہر جائے وہیں ساحل سمجھتے ہیں
بہ حسرت دیکھتے ہیں وہ ہمارے نقشِ تربت کو
اُسی کو پیار کرتے ہیں جسے باطل سمجھتے ہیں
ہماری زندگی کا راز بس اتنا ہے اے ماجد
جگر کو ہم جگر کہتے ہیں دل کو دل سمجھتے ہیں

کسی کے دل کی امیدیں دراز رہنے دے
الٰہی یہ خمِ زلفِ ایاز رہنے دے
دلوں کو جس نے دیئے ہوں ہزار ہا پہلو
نیاز و ناز میں کیا امتیاز رہنے دے
بتا دے مجھ کو الٰہی شہید ہے کہ نہیں
جو دل کے راز کو تا حشر راز رہنے دے
زمانہ لیتا ہے کروٹ نثاران آنکھوں کے
کچھ اور دیر انھیں نیم باز رہنے دے
گناہگار کسی کے اُٹھے ہیں کوچے سے
مرے کریم درِ توبہ باز رہنے دے

مسلم ہوسٹل ۳۰؍ نومبر ۱۹۲۹ء

کہاں ہیں آ کے دیکھیں ہمتِ دل دیکھنے والے
ہوئے جاتے ہیں بسمل رقصِ بسمل دیکھنے والے

نئے انداز سے فریاد ہوتی ہے قیامت میں
جھکا لیتے ہیں نظریں سوئے قاتل دیکھنے والے

یہ کچھ ٹکڑے گریباں کے ہیں کچھ ہیں تارِ داماں کے
انھیں بھی دیکھ رسم و راہِ منزل دیکھنے والے

ودّیا مندر ۲۹؍ نومبر ۱۹۳۱ء

ساقیا ایسی پلا دے مئے سرجوش مجھے
جز ترے اور کسی کا نہ رہے ہوش مجھے

اس طرح کی گئی تقسیم مگر روزِ ازل
چشمِ بیباک تجھے اور لبِ خاموش مجھے

دلِ برباد کو اپنے میں کہاں سے پاؤں
کاش کر دے کوئی ذروں سے ہم آغوش مجھے

ہوں تری اِک نگہِ مست کا بندہ ساقی
اب تو مدہوش بھی کہنے لگے مدہوش مجھے
گیسوئے دوست کو شاید کہ صبا نے چھیڑا
جام میں دل کے نظر آتا ہے اک جوش مجھے
فردِ عصیاں لئے محشر میں کھڑا ہوں چپکا
حکم کیا ہوتا ہے اے عفوِ خطا پوش مجھے
مجھ پہ احسان ہے اس زخمِ جگر کا ماجد
لذتِ دل سے کیا جس نے ہم آغوش مجھے

ہالینڈ ہال ۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء

جب کسی شے کا اعتبار نہیں
گل نہیں گل یہ خار خار نہیں
اُن سے تُو اور ہمیں ملائے گا
اے دل اس کا تو اعتبار نہیں
ہم نے تو صرف اس قدر سمجھا
مسکرائے ہو تم بہار نہیں

دلِ عاشق جسے سمجھ جائے
ایسا آساں مزاجِ یار نہیں
کیوں نہ لرزے بھلا دلِ وحشی
موت آتی ہے یہ بہار نہیں
اُن کی آنکھیں یہ صاف کہتی ہیں
جو ہے ہشیار ہوشیار نہیں
جائزہ دشت کا ادر اے وحشی
تیرے دامن میں ایک تار نہیں

انٹرمیجیٹ کالج ۶؍ دسمبر ۱۹۳۱ء

ابروؤں پر شکن ہنوز اے مرے نوجواں نہیں
اور بھی اِک ذرا کھنچے پوری ابھی کماں نہیں
اُف ری نگاہیں اور ابھی نامِ خدا جواں نہیں
دستِ جگر شکار میں تیر نہیں کماں نہیں
اُن کی گلی کی سرزمیں جھکتی ہے جس پہ خود جبیں
اور کہوں تو کیا کہوں وہ اگر آسماں نہیں

کچھ تو یقین ہو مجھے اپنی حیات و موت کا
نیچی نظر سے دیکھ کر پھر تو کہو کہ ہاں نہیں

میری زبانی اے حضور دل کی کہانی کیا ضرور
کہنے کو داستاں تو ہے پھر بھی وہ داستاں نہیں

دامنِ تار تار سے حشر میں عرضِ حال ہے
ماجدِ دلفگار کا کوئی بھی ہم زباں نہیں

دل و جگر ہیں اگر نوکِ نیشتر کے نثار
تو ہے جبیں بھی مری تیرے سنگِ در کے نثار

تم آنکھ ملتے اُٹھو خوابِ ناز سے جس دم
مَیں اس گھڑی کے تصدّق مَیں اُس سحر کے نثار

ازل سے آج تلک تو نہیں ہوئی سیری
تری اداؤں کے صدقے تری نظر کے نثار

گلی سے اُن کی وہ نکلا وہ اس طرف کو مُڑا
جواب کچھ بھی ہو لیکن میں نامہ بر کے نثار

سُنا ہے بعدِ فنا آئیں گے وہ بالیں پر
یہ جان اپنی تصدّق مَیں اِس خبر کے نثار

ہو جیسے ایک نئی روح روح کے اندر
نگاہِ سحر ادا ہیں ترے اثر کے نثار

قفس میں اپنی تمنا کی بس یہی حد ہے
چمن میں جو بھی ہوئیں اس کے بال و پر کے نثار

ازل کے روز تمہاری نظر تھی ماجد پر
کرم یہاں نہ سہی لطف پیشتر کے نثار

سندیلہ

ہو مریضِ ہجر کی خیر آج اُسے ڈر ہے رات کے نام سے
نظر آ رہے ہیں بجھے بجھے یہ چراغ کیوں سرِ شام سے

سرِ قبر شمع نہ جل سکی وہ ہوا نہ اب بھی بدل سکی
کہ چراغ کوئی جلا نہیں کبھی آجتک مرے نام سے

ہے عجیب چیز ادائے دل نہ خدا کرے کبھی آئے دل
یہ شراب عشق کی شاہ کو بھی پلائے دستِ غلام سے

یہ ہے کفر گر وہ خدا کہیں تو ہی خود بتا دے وہ کیا کہیں
جو اشارے پر ترے جان دیں جو جئیں بھی تیرے ہی نام سے

یونیورسٹی ڈیلیگیسی

الٰہی میری دنیا درد سے معمور ہو جائے
کچھ ایسا ہو کہ یہ زخمِ جگر ناسور ہو جائے

غلط انداز نظروں کے حسیں میری دہائی ہے
اِک ایسا وار جس سے شیشۂ دل چور ہو جائے

قیامت تک رہے یہ لطفِ ذوقِ جستجو یا رب
جو تھک کر بیٹھ جاؤں مَیں تو منزل دور ہو جائے

مبادا آپ کے انکار کا اِک یہ نتیجہ ہو
ہماری داستاں بھی داستانِ طور ہو جائے

تمھارے مُسکرا دینے کی بس اک شرط حائل ہے
جو تم چاہو تو ہر ذرّہ جہاں کا طور ہو جائے

حقیقت میں حیاتِ جاوداں گر ہے تو اسکی ہے
پہنچ کر آستاں تک تیرے جو معذور ہو جائے

ازل سے اس رُخِ روشن کا پروانہ ہوں اے ماجد
جسے دیکھے سے رنگِ شمع بھی کافور ہو جائے

ہو ان کی نگاہ کرم مجھ پر ایسی تو کوئی تدبیر نہیں
نالے بھی خدا جانے ہوئے کیا آہوں میں بھی کچھ تاثیر نہیں

یہ مری جبینِ نیاز کہاں اور وہ گل گلشن ناز کہاں
اس در پہ جیوں اس در پہ مروں ایسی تو مری تقدیر نہیں

باہر کہیں راہ اُلفت سے وحشی نہ قدم کوئی رکھ دے
ہے جادۂ منزل الفت یہ دیوانے کی زنجیر نہیں

آل انڈیا مشاعرہ گورکھپور ۱۶؍ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء

ایک حسرت ہے نظر میں ایک ارماں دل میں ہے
بے غرض دنیا سے دیوانہ ترا محفل میں ہے

بزم سے مجھ کو اُٹھا دینا بھی کوئی بات تھی
ہاں مگر تھوڑی سی خاموشی تری محفل میں ہے

یہ نیاز عشق و ناز حُسن ہے ورنہ حضور
آپ کے دل میں بھی ہے جو کچھ ہمارے دل میں ہے

اہل دل سے ہے ہمیشہ رونقِ سرکارِ عشق
ہاں مگر جس وقت تک خم ابروئے قاتل میں ہے

دیکھ کر تم کو فرشتوں نے بھی سجدے کر لئے
اور مَیں کیونکر کہوں کیا بات آب و گل میں ہے

ہم پرستارانِ الفت سے یہ پردہ کیا حضور
شمع بھی ہے شمع جتنی دیر تک محفل میں ہے

عرصۂ محشر میں ماجدؔ کی زباں کھُلتی نہیں
ہلکی ہلکی سی شکایت ہاں مگر کچھ دل میں ہے

مشاعرہ آل انڈیا گورکھپور ۱۷ جولائی ۱۹۳۲ء

محبت ہو جسے تیغ و سناں سے
ملائے آنکھ اس ابرو کماں سے
چھُڑایا ہائے کس کو آشیاں سے
کہ اک تارہ سا ٹوٹا آسماں سے
ترے کوچے میں جو اِک بار پہنچا
ملاتا ہے زمیں کو آسماں سے
وہ سننے بیٹھے ہیں افسانۂ دل
کروں مَیں ابتدا لیکن کہاں سے
ٹھکانا کیا ہے اس کی حسرتوں کا
قفس میں روٹھ جائے جو خزاں سے
کیا احسان اگر احساں سمجھ کر
زیادہ ہو گیا سنگِ گراں سے
نہ جی بھر کر تمھیں ماجدؔ نے دیکھا
شکایت رہ گئی عمرِ رواں سے

مسلم ہوسٹل ۲۴ر نومبر ۱۹۳۲ء

ہم اپنی زندگی کا راز بس اتنا سمجھتے ہیں
تمھاری اک نگاہِ ناز کو دنیا سمجھتے ہیں

کسی کے درد کو بھی یہ حسیں کتنا سمجھتے ہیں
سمجھتے ہیں مگر اتنا نہیں جتنا سمجھتے ہیں

جو تُو چاہے تو جنّت ہے نہ چاہے تُو تو دوزخ ہے
ہم اپنے نامۂ اعمال کو سادا سمجھتے ہیں

اُنھی کی کمسنی پر ہیں نگاہیں ایک عالم کی
وہ چاہے کچھ نہ سمجھیں ہاں مگر اتنا سمجھتے ہیں

وہی کچھ داد دے سکتے ہیں تیرے دل کی اے ماجد
جو اِک انسان کا دل ایک آئینا سمجھتے ہیں

* * *

مشاعرہ وِدّیا مندر ۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء

حد جہاں ملتی ہے آبادی سے ویرانوں کی
دھجّیاں کچھ نظر آتی ہیں گریبانوں کی

صبح دم خاک نہیں بزم میں پروانوں کی
داستاں یہ بھی ہے اک سوختہ سامانوں کی

بیٹھ سکتا نہیں صف میں وہ مسلمانوں کی
خاک جس نے کبھی چھانی نہیں بُتخانوں کی

شبِ وعدہ کی سحر ہو گئی تارے ڈوبے
لوٹی جاتی ہے دنیا مرے ارمانوں کی

آپ کے نام سے موسوم ہوئی دنیا میں
اب تو زنجیر بھی زنجیر ہے دیوانوں کی

کھولنا رازِ جہاں چاک گریباں ہو کر
ایک ادنیٰ سی یہ تدبیر ہے دیوانوں کی

اپنے مدہوش کی خاطر نگراں ہے کوئی
حشر میں مانگ ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کی

لکھنؤ ۱۷ر دسمبر ۱۹۳۲ء

چمن سے ہٹ کے اپنا آشیاں ہے
مگر دنیا کو اتنا بھی گراں ہے

ذرا ٹھہرے ہوئے ارمان والو
ہمارے ساتھ بھی اِک کارواں ہے

زمیں مقتل کی جیسے ہنس رہی ہو
کسی پر آج کوئی مہرباں ہے

ہمارے غم کی وسعت کچھ نہ پوچھو
کسی کی ہو ہماری داستاں ہے

نیاز و ناز میں کچھ بھی نہیں فرق
بس اک ہلکا سا پردہ درمیاں ہے

نگاہِ ناز مجھ پر بھی پڑی تھی
اسی پر اک زمانہ بدگماں ہے

دل و پیکاں میں ہے اب فرق مشکل
وہی ہے میزباں جو میہماں ہے

تم ان کی شکل پر ماجد نہ جانا
قیامت جلوۂ حسنِ بتاں ہے

مسلم ہوسٹل ۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء

اِدھر بھی اک نظر اے ابروے خمدار ہو جائے
اک ایسا تیر جو سیدھا جگر کے پار ہو جائے
دو عالم ہے فدا اِک اِک ادا پر ایسے قاتل کی
جو کھینچ کر دیکھتے ہی دیکھتے تلوار ہو جائے
اُتر واتے تو ہو یہ بیڑیاں ایسا نہ ہو دیکھو
کہ وحشی جان دینے پر کہیں تیار ہو جائے
جنوں کے بھیس میں تو دونوں عالم لے لئے اس نے
قیامت ہے یہ دیوانہ اگر ہشیار ہو جائے

* * *

ہالینڈ ہال ۲۷ نومبر ۱۹۳۳ء

زمین و آسماں میرا ہے یہ کوَن و مکاں میرا
وہیں منزل بنا سکتا ہوں جی چاہے جہاں میرا
الٰہی داد دے تو ہی مرے ارمان و حسرت کی
جنوں کے دشت میں بکھرا پڑا ہے کارواں میرا

انھیں ہے شمع و گل کی جستجو گورِ غریباں میں
ذرا اے بے کسی بڑھ کر بنا دینا نشاں میرا

اُٹھاؤں کس طرح وہ سر جُھکے اِک بار جو در پر
ذرا ہے مختلف عالم سے ذوقِ آستاں میرا

چمن میں آ گئی ہو یا بہار آنے ہی والی ہو
بدلتا جا رہا ہے کچھ کچھ اندازِ فغاں میرا

عدو کی بزم میں امداد کر حسرت بھرے دل کی
بھری محفل میں یا رب ہو رہا ہے امتحاں میرا

وہی ناشادیِ فرہاد اور بربادیِ مجنوں
پُرانی داستانیں ہیں مگر حسنِ بیاں میرا

کسی کے آستانے پر میری میّت نے جا پائی
بس اب تو میں ہی مَیں ہوں اور سکوتِ جاوداں میرا

نہ کیونکر عرصہ گاہِ حشر میں خاموش ہوں ماؔجد
نہ کوئی ہمزباں میرا نہ کوئی رازداں میرا

شاہجہاں پور ۲۴ر فروری سنہ ۱۹۳۴ء

پھر تو دنیا یہ خدا جانے کہے کیا مجھ کو
کہہ دو اِک بار زباں سے اگر اپنا مجھ کو
کس نے آخر یہ کس انداز سے دیکھا مجھ کو
اپنی ہستی نظر آنے لگی دنیا مجھ کو
مالکِ عشق نے بخشا ہے یہ رتبا مجھ کو
آج رسوائی بھی کہنے لگی رسوا مجھ کو
حُسن والوں نے کہیں کا بھی نہ رکھا مجھکو
ہے نہ جینے کی نہ مرنے کی تمنّا مجھ کو
تجھ کو تیری ہی قسم اے نگہِ لطف و کرم
حشر تک تیرے سہارے پہ ہے جینا مجھ کو
تم جو آجاؤ تو اس دل میں اُجالا ہو جائے
نظر آتا ہے اندھیرا ہی اندھیرا مجھ کو
مسکراتے بھی ہیں اور دیکھتے جاتے بھی ہیں
اب کہاں طاقتِ اظہارِ تمنّا مجھ کو

تیرے بندوں پہ ہے بندوں کی دُہائی یارب
ورقِ دہر نظر آتا ہے اُلٹا مجھ کو
ہے غضب لوٹ لیا لوٹ لیا لوٹ لیا
تیرے ہی بندوں نے دیکر ترا دھوکا مجھ کو
کیوں نہ ہو اس کرمِ خاص کا قائل ماجد
کیا یہ کم ہے کہ سمجھتے رہے جھوٹا مجھ کو

مشاعرہ گوالیار ۱۶ فروری ۱۹۳۴ء

hole poem is good.

وہ حُسن حُسن تھا جو بے نقاب ہو نہ سکا
وہ عشق عشق تھا جس سے حجاب ہو نہ سکا
کسی کے حسن کا دل سے جواب ہو نہ سکا
ستارہ لاکھ بڑھا آفتاب ہو نہ سکا
زبانِ حسن نے خود عشق کو پکارا تھا
نصیب اس کے جو حاضر جواب ہو نہ سکا
کلیم بات بڑھانے سے تھا نتیجہ کیا
جواب تو ہوا لیکن جواب ہو نہ سکا

زمین لال ہوئی خون سے شہیدوں کے
نگاہ سرخ کا تیری جواب ہو نہ سکا
ترا جمال زیادہ ہے یا خیال ترا
بڑے بڑوں سے بھی یہ انتخاب ہو نہ سکا
گناہگاروں کو پہلے ہی لے چلی رحمت
یہی وہ ہیں کبھی جن کا حساب ہو نہ سکا
بڑی اُمید سے آئے تھے حشر میں ماجد
یہاں بھی اُن سے سوال و جواب ہو نہ سکا

یحییٰ پور ۹؍ جون ۱۹۳۴ء

قید ایسی ہو تو کیوں قید سے دل شاد نہ ہو
کہہ دو بندہ جسے تم وہ کبھی آزاد نہ ہو
حشر کے روز بھی ہے لطف جو فریاد نہ ہو
آپ کو یاد ہو سب کچھ مجھے کچھ یاد نہ ہو
کوچۂ حسن میں اے ناز سے چلنے والے
ہر قدم پر کہیں اک منّت برباد نہ ہو

دل کی آواز سی آئی تھی مرے کانوں میں
مجھ کو ہوتا ہے یہ دھوکا کہ تری یاد نہ ہو
عشق کی راہ میں چلنا نہیں آساں ماجد
شرطِ اوّل ہے کہ فریاد بھی فریاد نہ ہو

یحییٰ پور ۲ر فروری ۱۹۳۵ء

صرف مَیں اتنی بات پر لائقِ امتیاز ہوں
تیری حریمِ ناز کا ذرّہ سرفراز ہوں
حسن کی دلفریبیاں عشق کی دلنوازیاں
روزِ ازل بھی راز تھا آج کے دن بھی راز ہوں
مجھ سے گناہگار پر حشر میں ہو تری نظر
تیرا کرم یہ ہو تو پھر کیوں نہ زباں دراز ہوں
میرے جنونِ شوق کی حد ہے اگر تو کچھ یہ ہے
گیسوئے تابدار کا سلسلۂ دراز ہوں
ماجد زرا اس طرح کہتا ہے داستانِ دل
جس کو سنے نہ کوئی وہ قصۂ دلگداز ہوں

good poem

۳/ مارچ ۱۹۳۵ء

یونہی کچھ ہنگامہ آرائی سہی نام ان کا میری رسوائی سہی
میری خاموشی مبارک ہو مجھے اور تم کو حسن گویائی سہی
عشق کو اک جامۂ دیوانگی حسن کو صد تاج زیبائی سہی
حسن کے عالم مبارک حسن کو عشق کو شغلِ جبیں سائی سہی
یوں بھی جینے کا مزہ ہے دہر میں کچھ نہیں بس اپنی تنہائی سہی
موت سے ڈرنا بھی کوئی بات ہے آخری ایک اور انگڑائی سہی

کچھ نہیں حاصل تو ماجدؔ کیا غرض
ان کے قبضے میں مسیحائی سہی

* * *

بالائے جہاز در سفر یورپ ۲۷/ اپریل ۱۹۳۵ء

کبھی ہم اس طرح بھی تیرا جلوہ دیکھ لیتے ہیں
نظر پڑتی ہے قطرے پر تو دریا دیکھ لیتے ہیں
بتائیں کیا کہ ان آنکھوں سے کتنا دیکھ لیتے ہیں
ہمارا ظرف ہے جتنا بس اتنا دیکھ لیتے ہیں

ازل کے روز سے اس دل پہ احساں ہیں تصوّر کے
یہ عالم ہے کہ ہر صورت میں تجھ سا دیکھ لیتے ہیں

نظر میں اور ہی کچھ ہے مگر دنیا کے کہنے کو
کبھی کعبے کو گہہ سوئے کلیسا دیکھ لیتے ہیں

یہ عالم ہے کہ پڑ جاتی ہے اِک ہل چل خدائی میں
کبھی گر آنکھ اُٹھا کر تیرے شیدا دیکھ لیتے ہیں

سکوں آ جاتا ہے جیسے ازل کی بیقراری کو
کبھی تجھ کو جو رسوائے تمنّا دیکھ لیتے ہیں

نگاہوں پر ہے اُن کی انحصارِ زندگی ماؔجد
نظر ملنے سے پہلے ہم اشارہ دیکھ لیتے ہیں

در لندن ۱۵ر مئی ۱۹۳۵ء

اب وہ ساقی اب وہ بادہ اب وہ پیمانے کہاں
نازِ فرزانوں کو تھا جن پر وہ دیوانے کہاں
غور تو کیجے زمین و آسماں کا فرق ہے
جن سے کعبہ بن گیا کعبہ وہ بتخانے کہاں

اپنی اپنی اب زباں ہے اپنی اپنی داستاں
جن میں کچھ کیفیتِ دل ہو وہ افسانے کہاں
دونوں اپنے اپنے جلووں میں سما کر رہ گئے
اب کہاں وہ شمعِ محفل اور وہ پروانے کہاں
دہر کی آبادیاں آبادیاں ہیں نام کی
جن پہ سَو آبادیاں صدقے وہ ویرانے کہاں
بے خودی ہی بے خودی ہے اب تو ماجد دہر میں
جن میں عقل و ہوش پلتے تھے وہ میخانے کہاں

متفرق اشعار

چند گھڑیاں شمع و پروانے کی اچھّی کٹ گئیں
جلوہ تیرے حسن کا جب تک سرِ محفل نہ تھا
کمسنی کا حسن وہ تھا یہ جوانی کی بہار
تل یہی پہلے بھی رخ پر تھا مگر قاتل نہ تھا
مرتے مرتے بھی رہا لذّت کشِ لطفِ خلش
دل کی اک حسرت تھی پیکانِ دلِ بسمل نہ تھا

کیا کہوں کتنا جفاؤں کا تری ممنون ہوں
دل مرا دل ہی نہ تھا جب تک یہ دردِ دل نہ تھا

لہو رلاتا ہے صیاد تیرا یہ کہنا
چمن میں گر نہ رہا ایک مُشت پر نہ سہی

قلب بحرِ غم میں کشتیِ دل مجبور تھی
دیکھئے جس سمت تا حدِ نظر ساحل نہ تھا
شام ہجراں، موج غم کشتیِ دل دریائے عشق
وہ تلاطم سخت اور پیدا کہیں ساحل نہ تھا

ترے کرم کے سہارے پہ حشر تک آیا
مرے گناہوں کا یارب کوئی حساب نہ ہو
اب ان کو دیکھ کے دیکھیں تو ہم کسے دیکھیں
جواب کیا جو کسی چیز کا جواب نہ ہو

شیشۂ بشکستہ سے دل یاد آتے ہیں مگر
کچھ ہیں ایسے بھی جو یاد آتے ہیں پتھّر دیکھ کر

میرے دل سے مجھ کو آتی ہے صدا بے شک مگر
یہ مری آواز ہے یا آپ کی آواز ہے
مجھ میں اور تجھ میں نہیں کچھ فرق ایسا کوہکن
جو ترا انجام تھا بس وہ مرا آغاز ہے

شب وعدہ کی سحر ہو گئی تارے ڈوبے
آفتابِ دلِ ناکام لبِ بام آیا
وہ گھٹا چھائی وہ اک برق گری عالم پر
بال کھولے ہوئے یہ کون سرِ شام آیا
مسکرا کر مرے ساقی نے جو دیکھا مجھ کو
میں یہ سمجھا کہ چھلکتا ہوا اک جام آیا

دردِ دل نے کروٹیں لاکھوں بدلوائیں مجھے
راستہ الفت کا طے منزل بہ منزل ہو گیا

کی گئی سربستگیِ راز یوں روزِ ازل
دے کے دل پہلو میں دل میں درد پیدا کر دیا

زندگی تک تھے زمینِ کوئے جاناں کے ستم
مل گئے مٹّی میں تو آرام ہی آرام تھا

جو تیر ڈوب کے بن جائے دل میں لذّتِ درد
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس کو کیا کہئے
گلے لگا کے جو پوچھیں کبھی وہ خود ہنس کر
تو کس زباں سے شبِ غم کا ماجرا کہئے
ہزار طرح کی مجبوریاں ہیں عاشق کو
جفا کریں بھی تو کیونکر اسے جفا کہئے
دیارِ عشق کے انداز ہی نرالے ہیں
فنا بقا کو فنا کو یہاں بقا کہئے

وہ مریضِ غم کا افسانہ زبانِ حال سے
ایک انگڑائی میں ساری عمر کا پیغام تھا

کیسے فریاد کروں تیرِ نظر کی یارب
درد کی جا نہیں معلوم مگر ہوتا ہے

جدا ہو کر ہماری بزم سے وہ جانے والا ہے
تمنّاؤں کے دامن میں جسے آنکھوں نے پالا ہے

اللہ اللہ ری نزاکت دلِ دیوانہ کی
فصلِ گل آتے ہی پھولوں سے خفا ہو جانا

بیاں کیوں کر زباں سے داستانیں ہوں شبِ غم کی
وہ قصّے دردِ دل کے وہ حکایت چشمِ پُرنم کی

کیوں نہ روئیں یاد کر کے قوّتِ پرواز کو
ہائے یہ صیّاد کی نیند اور قفس ٹوٹا ہوا
یا الٰہی خیر ہو اس سر زمیں کی خیر ہو
دیکھتا ہوں کچھ گلستاں سے دھواں اُٹھتا ہوا

غمزدوں کی آہ ہرگز رائیگاں جاتی نہیں
کچھ گھٹائیں آ رہی ہیں خانۂ صیّاد پر

الٰہی مہرباں بر من مدام آں ماہرو بادا
دلم در دست او بادا سرم بر پائے او بادا

اکتوبر ۱۹۳۵ء

یارب اتنے پوچھنے والے ہوں جس بیمار کے
اس کی بیماری پہ صحت کا یقیں کیونکر نہ ہو

آج آتے ہیں وہی خود بال بکھرائے ہوئے
کل جو ہنستے تھے مری بے تابیِ دل دیکھ کر
ہم نے حاصل کر لیا اپنا مآلِ زندگی
اک نگاہِ واپسیں سے سوئے قاتل دیکھ کر

بتا دو تمھیں خود کہ آخر یہ کیا ہے
مجھے دیکھ کر آئینہ دیکھ لینا

دیکھئے حسن نظامِ شبِ غم روزِ ازل
دل کے انجام سے آغاز سحر ہوتا ہے

کچھ سمجھ بوجھ کے دیوانہ ہے چپ ورنہ ابھی
دیکھتے دیکھتے دیوار میں در ہوتا ہے

زرا اے ہمّتِ دل پاس رکھنا نامِ قاتل کا
تڑپنا آج وہ پہلے پہل دیکھیں گے بسمل کا
کوئی اُٹھ تو گیا لے کر دلِ حسرت زدہ اپنا
بنائے سے مگر بنتا نہیں اب رنگ محفل کا

ہمارے دل سے کوئی پوچھے لذّتِ شبِ غم
ہزار درد کے پہلو ہیں اک سحر نہ سہی
ہے سر کی چوٹ زیادہ کہ زخمِ دل کہہ دے
ہمارے ہاتھ میں اے کوہکن تبر نہ سہی

تیور پہ مرنے جینے کا دار و مدار ہے
ماجد پہ بس اثر ہے اسی انقلاب کا

وہ دیکھنے آئے ہیں مجھے نزع میں یارب
میری نگہِ یاس کو افسانہ بنا دے

کوچے میں ترے دیکھ کے سب کہتے ہیں مجھ سے
اللہ تجھے دردِ محبّت کا صلا دے

بھلا معلوم ہوتا ہی نہیں اب تو کہیں ہم کو
کچھ ایسی بھا گئی ہے کوئے جاناں کی زمیں ہم کو

سیکھنا ہو جسے وہ اُن کی نظر سے سیکھے
مرہمِ زخم کبھی اور کبھی نشتر ہونا
یہی اُلفت ہے اسی کے لئے مر مٹتے ہیں
اک خلش سی دلِ بیتاب کے اندر ہونا

سب سے آزاد رہا زلفِ مسلسل کا اسیر
تھا گرفتار مگر پھر بھی گرفتار نہ تھا

ہے عالم نزع کا اور سامنے تصویرِ قاتل ہے
مریضِ ہجر کو جینا بھی اور مرنا بھی مشکل ہے
نگاہِ یاس بسمل اِس طرف واں تیغِ قاتل ہے
اِدھر بسمل بھی بسمل ہے اُدھر قاتل بھی بسمل ہے

کون محشر میں کہے گا قیدِ غم کی داستاں
ساتھ میرے دفن کر دینا مری زنجیر کو

کچھ نہ پوچھو ضبط اہلِ درد کی پابندیاں
ہائے وہ نالے جو منقارِ عنادل میں رہے
وصل کی شب دل ہے یوں آغوشِ زلفِ دوست میں
جیسے کشتی رات کو دامان ساحل میں رہے

رگِ گلو سے زیادہ ہے تو قریب مرے
نہ پاؤں تجھ کو اگر میں تو یہ نصیب مرے
لحد میں لاش مری کیوں نہ کروٹیں بدلے
بچا کے چلتے ہیں دامن کو خود حبیب مرے

اہل دل کی زندگی کٹتی ہے اس کی چھاؤں میں
حشر تک یارب یہ خم ابروے قاتل میں رہے

Good.

لو موت آئی وادیِ غربت سے مَیں چلا
میرا اسلام دشت کے ایک ایک خار کو
دل ڈوبتا ہے صبح کے آثار دیکھ کر
یارب کچھ اور کھینچ شبِ انتظار کو

دل میں پیوست نظر آیا ہے اک تیر مجھے
آپ بتلائیں تو اس خواب کی تعبیر مجھے

گرنے کو ایک عمر سے جو بیقرار تھی
میرے جگر میں آکے وہ بجلی ٹھہر گئی

کہہ دے کوئی شمع سے اب ظلم کی حد ہو چکی
صبح تک کچھ اور رنگِ داستاں ہو جائیگا

گرفتارِ قفس کی آنکھ سے اک اشک خوں ٹپکا
ابھی شاید کہیں چٹکا کوئی غنچہ گلستاں کا

بہت کچھ یوں تو کہنے کے لئے محفل میں ساماں تھا
مگر میرے لئے یا دل مرا یا روئے جاناں تھا

سحر کو نوگرفتارِ قفس نے آنکھ جب کھولی
تو اک حسرت کا عالم تا بہ دیوارِ گلستاں تھا

کچھ مَیں زبانِ حال سے کہتا ہوں بزم میں
کہتے ہیں وہ بھی کچھ نگہِ اعتبار سے

اُس دل کے حسرتوں کی بھلا کوئی حد بھی ہے
رہ کر قفس میں بھی جو دعا دے بہار کو

مَیں ہر ہر تار سے اس راز کی تشریح کرتا ہوں
ہوئی تھی ابتدا جس کی کبھی یوسف کے داماں سے

میرے مرنے کی کہانی ہے زبانِ حال سے
رنگِ رُخ بدلا ہوا اور آنکھ شرمائی ہوئی
قصّۂ مجنوں ہو یا افسانۂ فرہاد ہو
داستانیں ہیں مرے دل کی یہ دُہرائی ہوئی

نہیں ہے فرق زرا سا بھی قرب و دوری میں
مزہ عجیب ملا دل کو اِس حضوری میں

رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو

تجھ کو اللہ نے بخشی ہے طبیعت ایسی
اُس نے پھر دی کسی صورت کو نہ سیرت ایسی
خُلق ایسا ہے دل ایسا ہے محبّت ایسی
آن ایسی ہے ادا ایسی ہے ہمّت ایسی
پہلے مجموعۂ اخلاق سے ممتاز کیا
نت نئے رتبوں سے پھر تجھ کو سرافراز کیا
سجدہ گاہِ دو جہاں آج ہے کاشانہ ترا
موج زن بادۂ الفت سے ہے میخانہ ترا
رند مستی تری یہ نعرۂ مستانہ ترا
وہ ہے دیوانہ جو دل سے نہیں دیوانہ ترا

اہل دل دیکھ لیں در پر ترے دُنیا کی بہار
کبھی گنگا کی بہار اور کبھی جمنا کی بہار

ذکر مشرق ہے کبھی گاہ ثنائے مغرب
کبھی مشرق کی ندا۔ گاہ صدائے مغرب
گاہ مشرق کی وفا۔ گاہ جفائے مغرب
ہند کے ناز کبھی۔ گاہ ادائے مغرب

دل کو جو لطف ہے درکار وہ سب حاصل ہے
بزمِ ہستیٔ جہاں ہے کہ تری محفل ہے

سحر و شام چلے آتے ہیں اخبار نئے
تار تو تار ہی ہیں لیجئے "بے تار" نئے
سیف خامہ سے ہیں دشمن پہ ترے وار نئے
تو نے قایم کئے ہر چیز کے معیار نئے

راہِ حق سے نہ کسی نے تجھے پھرتے دیکھا
آج تک اپنے اصولوں سے نہ گرتے دیکھا

ا ہم سے کمزوروں کی دنیا میں اک آواز ہے تو
ادل سے ہر بیکس و مظلوم کا دمساز ہے تو

ہند کے واسطے سامانِ خدا ساز ہے تو
سچ ہے انسان کے پردے میں اک اعجاز ہے تو
تجھ سے امید ترے ملک کی وابستہ ہے
گلشنِ ہند کے پھولوں کا تو گلدستہ ہے

نواب صاحب چھتاری

عقل بھی حیران ہے خامہ بھی ہے سرنگوں
ماہ چھتاری کا وصف لکھوں تو لکھوں میں کیا
مخزنِ الطاف آپ مجمعِ اوصاف آپ
کوئی کرے کس طرح آپ کی مدح و ثنا
پاک عمل پاکباز ابرِ کرم بحرِ فیض
چشمۂ لطف و عطا قلزمِ جود و سخا
صاحبِ عزّ و وقار ذیشرف و نامدار
خوش گہر و خوش خصال خوش سیر و خوش لقا
آپ کی قدرِ بلند حد سے زیادہ فزوں
آپ کی شانِ رفیع حد سے زیادہ سوا

اپنے ہوں یا غیر ہوں دل سے معترف ہیں سب
ذکر کوئی کیا کرے آپ کے اوصاف کا

شان ہیں گردوں رکاب قدر میں عالیجناب
آپ بھی ہیں لاجواب مثلِ دُرِ بے بہا

فضلِ الٰہی سے آپ اب ہوئے یوں ضوفشاں
تاردل ہیں ہو جلوہ گر جیسے مہِ چاردہ

فضل خدا سے بڑھے آپ کا اقبال اور
بہرِ خدا ہو قبول دوستوں کی یہ دُعا

فرطِ مسرّت سے خوش کیوں نہ ہو ماجد کا دل
شاملِ حال آج ہے رحمتِ ربِّ عُلا

تعلیمی کانفرنس

نہ ہے نغمہ نہ کوئی نعرۂ مستانہ ہے
نہ تو محفل ہے نہ ہے شمع نہ پروانہ ہے

کوئی ساقی ہے نہ بادہ ہے نہ پیمانہ ہے
صرف اک درد میں ڈوبا ہوا افسانہ ہے

تاب آخر دلِ بیتاب کہاں تک لائے
ہو کے مجبور گلہ ہم یہ زباں تک لائے
آپ کے وعدوں کو ایمان ہی جانا ہمنے
اپنے احباب کا کہنا بھی نہ مانا ہمنے
آپ پر وار دیا دل کا خزانہ ہمنے
صبر سے ختم کیا ایک زمانہ ہمنے
پھر بھی دردِ دلِ پُرغم کی خبر ہی نہ ہوئی
رات بھاری ہوئی ایسی کہ سحر ہی نہ ہوئی
آ بنی دم پہ تو پھر اہلِ وفا کیا کرتے
تھی بقا اس طرف۔ اُس سمت فنا کیا کرتے
اور حق اپنی محبّت کا ادا کیا کرتے
نہ سنبھل جاتے تو پھر اور بھلا کیا کرتے
آپ نے مار کے ٹھوکر اِنھیں ہشیار کیا
موت کی نیند سے اچھّا کیا بیدار کیا
ہم نے مانا کہ زمانہ یہ ہے دشمن اپنا
سَیر و تفریح کے قابل نہیں گلشن اپنا

نہ ٹھکانا کوئی اپنا ہے نہ مسکن اپنا
دھجیوں میں یہ گریباں ہے یہ دامن اپنا
بات لیکن کبھی کہہ جاتے ہیں دیوانے بھی
کام آ جاتے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے بھی
زورِ وحشت کا ہے لیکن ہمیں کچھ ہوش بھی ہے
دلِ بدمست ہمارا ہمہ تن گوش بھی ہے
طالبِ عیش جو ہے عیش فراموش بھی ہے
قوم کا درد بھی ہے زور بھی ہے جوش بھی ہے
لوگ ڈھونڈھیں گے زمانے کی جو تحریروں میں
اپنی تصویر بھی ہوگی انھیں تصویروں میں

* * *

منصوری

ترانہا برایم ز دار منصوری
دلم فدائے ہوائے بہار منصوری
نہادہ بر سرِ ہر زخم پنبۂ ابرے
مرقعیست دلِ داغدار منصوری

گرا خبر ز رہ و رسم مذہب و ایماں
بس است بہر نجاتم خمار منصوری
بہ چشم اہل یقیں بہ ز گلستانِ جناں
ہزار گونہ بود لالہ زار منصوری
ترا چو ذوق فنا ہست ماجدا بنگر
بخانۂ دل ہر گل مزار منصوری

تعلیمی کانفرنس

خیر مقدم کیجئے اہلِ الہ آباد کا
مدّعا حاصل ہوا آخر دلِ ناشاد کا
آپ آئے ہو گیا ظاہر اثر فریاد کا
ہو گیا آخر فسانہ ہجر کی بیداد کا
داستانِ درد سُننے آئے سردارانِ قوم
قوم کی امداد ہونے والی ہے شایانِ قوم
اپنی جانب بھی نسیم عطر بار آ ہی گئی
قلب کی تسکیں کو بوئے خوشگوار آ ہی گئی

ساعتِ کارِ دلِ امیدوار آہی گئی
اپنے ویرانے میں بھی اِک دن بہار آہی گئی
اُجڑے کاشانے میں بھی وہ ساز و ساماں ہو گیا
بوریا غیرت دہِ تختِ سلیماں ہو گیا
آفتابِ[۱] قوم ہے آج اک طرف جلوہ نما
دوسری جانب شفاعت[۲] سا ہے اپنا پیشوا
اپنے اپنے رنگ میں ہر شخص ہے نغمہ سرا
جس سے جو ممکن ہوا کرتا ہے اپنا حق ادا
ہم کو بھی منظور خاطر اپنے مہمانوں کی ہے
دعوتِ شیراز ہے۔ محفل مسلمانوں کی ہے
مسئلہ تعلیم اسلامی کا ہے مدِّ نظر
اور وہ تعلیم جس سے شاد ہوں قلب و جگر
جس سے مل جائے ہماری زندگانی کا ثمر
جس سے کٹ جائے شبِ ہجر اور نمایاں ہو سحر
جس سے باہم ربط انسانی بڑھے دل شاد ہوں
ملک کے اُجڑے ہوئے مسکن جو ہیں آباد ہوں

---

[۱] آفتاب احمد خاں۔

[۲] سر شفاعت احمد خاں

یہ تمنّا ہے کہ اب تعلیم کا یوں دَور ہو
آج ہے جو رنگ ۔ کل اس سے سوا کچھ اور ہو
حالتیں اپنی بدل جائیں کچھ ایسا طور ہو
کچھ تو اپنی بیکسی و بے بسی پر غور ہو
دیکھ کر رنگِ زمانہ کچھ سبق حاصل کریں
جو ہمارے سر ہیں الزامات وہ باطل کریں
سب سے بڑھ کر اب ہمیں تعلیم صنعت چاہیئے
شغل حرفت چاہیئے ذوقِ تجارت چاہیئے
دل لگا کر محنتیں کرنے کی عادت چاہیئے
ساتھ ساتھ اس کے مگر حسنِ طبیعت چاہیئے
دہر پر سکّہ ہو علم و حکمت و اخلاق کا
اب یہی ہے حوصلہ اپنے دلِ مشتاق کا
راستی و خُلق بچّوں کو سکھانا چاہیئے
کینہ و بغض و حسد دل سے بُھلانا چاہیئے
دل سے آپس کے تعصّب کو مٹانا چاہیئے
سلسلہ باہم محبّت کا بڑھانا چاہیئے
قوم کی ہستی ہی وابستہ ہے ہر اک فرد سے
دردِ قومی کا تعلق ہے ہر اک کے درد سے

میرے دل والو یتیموں پر بھی ہو چشمِ کرم
جو کھڑے ہیں حوصلے دل میں لئے باچشمِ نم
تنگدستی سے بڑھا سکتے نہیں آگے قدم
آنکھ کھولی تھی کہ ٹوٹے اک زمانے کے ستم
آنسوؤں میں اُن کے پوشیدہ ہیں افسانے نئے
آپ کی محفل میں لائے ہیں وہ پیمانے نئے
جن کے کپڑے ہیں پھٹے جنکے سروں پر گرد ہے
خود بخود رہ رہ کے جن کے لب پہ آہِ سرد ہے
ہونٹ جن کے خشک ہیں اور جن کی رنگت زرد ہے
جن کا حلیہ اپنی جا خود اک سراپا درد ہے
کیا عجب گر ہوں یہ تارے قوم کے افلاک کے
غیرتِ مہرِ درخشاں ہوں یہ ذرّے خاک کے
الغرض تعلیم میں جتنی ہو کوشش کیجئے
جس قدر بھی ہو سکے آپ اس میں کاوش کیجئے
کیجئے امداد اوروں سے سفارش کیجئے
اپنی قسمت کی جہاں میں آزمائش کیجئے
رازِ ہستیٔ جہاں تاابد یہی تعلیم ہے
جادۂ تعلیم راہِ کوثر و تسنیم ہے

لسان العصر حضرت اکبرؔ مرحوم

ہائے اکبر تاجدارِ کشورِ ہندوستاں
ایک مدّت سے زبانِ قوم تھی جس کی زباں
تیرے گلشن میں بھی آخر آگئی فصلِ خزاں
کیوں نہ ہوں اہلِ الہ آباد سرگرمِ فغاں
آج ملکِ ہند میں کوئی ترا ہمتا نہیں
ڈھونڈھتی پھرتی ہیں آنکھیں دوسرا تجھ سا نہیں
مختصر لفظوں میں کہہ دینا ترا ہی کام تھا
بات بھی ہوتی تھی اور پیغام کا پیغام تھا
بس یہی اک مشغلہ دن رات صبح و شام تھا
جو کہا تو نے زباں سے وہ صلائے عام تھا
لوگ آیا کرتے تھے کچھ تجھ سے سُننے کے لئے
باغ سے تیرے گلِ امید چُننے کے لئے
نکتہ رس شیریں کلام و صاحبِ فہم و ذکا
ہمصفیرانِ چمن میں بُلبلِ رنگیں نوا

تھا چلن فریاد کا تیری زمانے سے جُدا
ہے ترا دیوان اک آئینۂ عبرت نُما
یوں تو کُل دیوان گویا اک سراپا درد ہے
سمجھے گا اُتنا وہ جس کے دل میں جتنا درد ہے
تیرے ہاتھوں پردہ داروں کی حمیّت رہ گئی
گھر کی عزت رہ گئی بہنوں کی عصمت رہ گئی
پردہ در جو ہو گئے ان میں بھی علّت رہ گئی
کُھل کر آئیں سامنے ایسی نہ ہمّت رہ گئی

ڈوبتی کشتی سنبھالی تو نے اس طوفان میں
ورنہ رہ جاتی حمیّت کچھ نہ ہندستان میں
کُنج تنہائی میں قومی کام تو کرتا رہا
سرد آہیں بسترِ غم پر پڑا بھرتا رہا
پھونک کر میدانِ قومی میں قدم دھرتا رہا
قوم ہی کے ساتھ تو جیتا رہا مرتا رہا
نالے کرتا تھا مگر لَے اور ترانہ دیکھ کر
ساتھ چلتا تھا مگر رنگِ زمانہ دیکھ کر

کام کی باتیں بتانا کوئی تجھ سے سیکھتا
عیب اخلاقی جتانا کوئی تجھ سے سیکھتا
خود نہ ہنسنا اور ہنسانا کوئی تجھ سے سیکھتا
اور ہنسا کر پھر رُلانا کوئی تجھ سے سیکھتا
شعر تیرے یوں تو گویا کھیل ہیں اطفال کے
ہیں سرانِ دہر - پر قائل ترے اقوال کے
روز و شب یہ کام ہی ہے لیڈرانِ قوم کا
دیکھتے ہیں ہو چکا کیا اور آگے ہو گا کیا
آئے دن وہ اک سنا دیتے ہیں افسانہ نیا
ہے مگر سچ اب بھی - برسوں پہلے جو تو کہہ گیا

"اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیّاد کے اقبال کا"
بات کل کی ہے کہ تو زینت دہِ کاشانہ تھا
مجمعِ اہلِ سخن تھا جلسۂ رندانہ تھا
سامنے تیرے لئے ہر مَیکش اک پیمانہ تھا
آج دیکھا تو وہی گھر ایک ماتم خانہ تھا

آگئی فصلِ خزاں اب اور گئی دل کی بہار
ساتھ اپنے لے گیا تو اپنی محفل کی بہار

ماجد محزوں کی بھی دل سے یہی ہے اب دعا
گلشنِ جنّت میں تجھ کو حق کرے مسکن عطا

قوم دے گی اس طرح خدمات کا تیرے صلہ
بزم اہلِ دل میں ہوگا ورد تیرے نام کا

لوگ سب چیزوں سے پیاری جانتے ہیں جان کو
جان سے بڑھ کر وہ جانیں گے ترے دیوان کو

* * *

منصوری

اے کہ ہے دہر میں ہمنام جنابِ منصور
کر سکوں تیری ثنا میں نہیں میرا مقدور
بسکہ الفاظ کی قلّت سے بہت ہوں معذور
آیا ہوں خود دلِ صد چاک لئے تیرے حضور
یہی حسرت ہے یہی عرضِ تمنّا میری
میرے ہر زخم کے پردے میں ہے دنیا میری

طور کا یوں تو فسانہ ہے جہاں میں مشہور
اہل دل کے لئے لیکن ہے ہر اک ذرّہ ۔ طور
ہے وہی آنکھ وہی قلب وہی جلوۂ نور
دور ہم ہیں نہ کسی سے نہ کوئی ہم سے دور
خون دل کی ہے جھلک بادۂ انگوری میں
راز ہستی ہے نہاں نغمۂ منصوری میں
طائرِ مست کی مستانہ مسلسل وہ صفیر
روح کو قید جو کر لیتی ہے مثلِ زنجیر
جس کے ہر شعبہ میں ہے ربِّ علا کی تفسیر
جس کے ہر لحن میں ہے ذوق صدائے تکبیر
ایک توحید کی دنیا ہے ان آوازوں میں
راز ہستی و حقیقت ہے انھیں سازوں میں
مختلف دہر سے ہیں تیری عبادت کے ساز
پتّیوں سے تری تسبیح ۔ شجر سے ہے نماز
تیری ہر کاہ ہے اک آئینۂ عجز و نیاز
تیرے بہتے ہوئے پانی کی وہ پیاری آواز

روز و شب شام و سحر بس یہ ہے تکبیر تری
قطرہ قطرہ میں نظر آتی ہے تصویر تری
بارشِ ابر میں وہ نعرۂ مستانہ ترا
دم بدم جھوم کے وہ جلوۂ رندانہ ترا
مئے وحدت سے جو لبریز ہے پیمانہ ترا
ایک معبد ہے خدا والوں کا میخانہ ترا
زندگی روح کی بڑھتی ہے ہر اک جام کے ساتھ
پیتے ہی جاتے ہیں اللہ کے بس نام کے ساتھ
کوٹھیاں بھی ترے سینے پہ ہیں راہیں بھی ہیں
بے وطن کے لئے ہر سمت پناہیں بھی ہیں
نظرِ لطف بھی ہے۔ تیز نگاہیں بھی ہیں
حسن کے ناز بھی ہیں عشق کی آہیں بھی ہیں

ہائے ہر رنگ میں یہ جلوۂ پیہم تیرا
دونوں عالم سے کبھی کم نہیں عالم تیرا
صبح دم وہ سرِ کہسار شعاعوں کی پھبن
نور میں جیسے نہائے ہوئے ہو کوئی دلہن

روز روشن سے وہ صحرا کا لبالب دامن
سبز پتّوں پہ وہ جاتے ہوئے سورج کی کرن

خوبیاں آئیں نظر چار طرف عام تری
قابلِ رشک ہے ہر صبح تری شام تری

تیرے دامن میں کہیں پھولوں کے جُھرمٹ کہیں جھاڑ
بنوٹوں سے کہیں دلکش ترا ہر ایک بگاڑ
مُٹّھیوں میں تری عالم کی اُکھاڑ اور پچھاڑ
کہیں سونے کے پہاڑ اور کہیں چاندی کے پہاڑ

پوچھے ماجد سے کوئی رتبۂ اعلیٰ تیرا
آفتابِ سحری ہے یدِ بیضا تیرا

دلِ نادان

اے دلِ ناداں تجھے کس روز آئے گا یقیں
کہ چکے غافل وہ تیرے حال سے ہر گز نہیں
تابہ کے یہ آہِ سوزاں تابہ کے یہ اشکِ خوں
تابہ کے غیرت دہِ گلزار ہو گی آستیں

دیکھنے کی تاب کس کو تھی کہ وہ آتے نظر
ورنہ وہ گردن کی رگ سے بھی زیادہ ہیں قریں

طور کے شیدائی اب تک دہر میں بدنام ہیں
اس قدر بھی بیقراری شوق کی اچّھی نہیں

ہے معیّن خاص اک ہنگام ہر شے کے لیئے
اور کچھ دن صبر کر لے آفریں صد آفریں

دفعتہً دل کا ٹھہر جانا نہیں ہے بے سبب
ہو نہ ہو ماؔجد اسی محفل میں وہ بھی ہیں کہیں

مَیکدہ

تری امید پہ ہیں ساقیا ترے میخوار
ترے کرم سے ہو دور آج سال بھر کا خمار

کہاں کا مذہب و ایماں کہاں کے رسم و قیود
اصول فقہ کہاں اور سبحہ و زنّار

ہے تیرا میکدہ جائے نماز اپنے لئے
یہی ہے اپنی بضاعت یہی ہے بس گھر بار

جو ہم سے مست ہیں اُن کی اذاں یہی ہے بس
کسی کے نام کی رہ رہ کے بیخودی میں پکار

ہو تیری چشم کرم تو اُدھار بھی ہے نقد
اگر نہ تیرا کرم ہو تو نقد بھی ہے اُدھار

خدا کے واسطے ہو ایک ایک جام عطا
دعائیں دیتے ہیں دل سے تجھے ترے میخوار

* * *

طوفان

ہوائے دہر کے جھونکوں سے تھی موجوں میں طغیانی
حسد سے جل کے ہر قطرہ ہوا جاتا تھا طوفانی

نہ آتا تھا سمجھ میں رنگ کچھ پانی کی دنیا کا
کہیں خطرے عیاں تھے اور کہیں خطرے تھے پنہانی

جہاں دیکھو وہاں دنیا نظر آتی تھی موجوں کی
ادھر بھی اور اُدھر بھی اور تا حدِّ نظر پانی

خدا ہی جانے دل پر نا خدا کے کیا گذرتی تھی
کچھ اپنے ساتھیوں کی دیکھ کر اُس دم تن آسانی

کبھی ڈوبا کبھی اُبھرا سفینہ جوشِ طوفاں میں
امید و بیم کی حالت پریشانی و حیرانی

شامِ غم

وہ ایذائے شبِ فرقت وہ شامِ غم کی تنہائی
مریضِ ہجر کی ناگفتنی وہ ناشکیبائی
وہ شدّت دردِ دل کی وہ دھڑکنا قلبِ مضطر کا
کہ جس سے نیند فوراً مٹ گئی جھپکی اگر آئی
وہ تاریکی وہ سنّاٹا کہ جس کی حد نہیں کوئی
فقط اک داغِ دل تھا ہاں چراغِ شامِ تنہائی
کبھی تھی آہ سوزاں لب پہ گہ نالوں پہ نالے تھے
کبھی آتی تھی بیچینی میں انگڑائی پہ انگڑائی
بندھائی آس نے ہمّت تو چہرہ تمتما اُٹھا
بجھایا یاس نے دل کو تو پھر اک مُردنی چھائی
کہاں اُٹھے کدھر بیٹھے سمجھ ہی میں نہیں آتا
بجز دنیائے حسرت کچھ نہیں دیتا ہے دکھلائی

عجب تکلیف کی حالت میں بیمارِ محبت تھا
نہ مرتا تھا نہ جیتا تھا نہ تھی تابِ شکیبائی
اسی تکلیف میں بیمار کی شب ہو گئی آخر
ہوا وقتِ سحر اور قلب نے ٹھنڈک ذرا پائی

ساقی نامہ

ساقیا ہاں ترے مَیکش ترے قدموں کے نثار
مئے گلرنگ کی میخانے میں آجائے بہار
نام لے لے کے ترا جام بہ کف بیٹھے ہیں
صف جمائے ہوئے اور باندھے قطاروں پہ قطار
خُم لُنڈھے اور صراحی پہ صراحی اُلٹے
بارشِ بادہ کی تا عرش ہو اونچی بوچھار
دور پر دور چلے پیاس بجھے پیاسوں کی
مست ہو ہو کے تری خیر منائیں میخوار
آج بدلی نظر آتی ہے ہوا عالم کی
ابر اُٹھ اُٹھ کے چلے آتے ہیں سوئے کہسار

شام ہوتے ہی جو سو جاتا تھا سبزہ وہ آج
نصف شب ہو گئی لیکن ہے ابھی تک بیدار
اک تلاطم سا نظر آتا تھا جس میں ہر دم
مثل آئینہ ہے ساکن وہی بحرِ ذخّار
جو ہلا دیتے تھے عالم کو ہوا کے جھونکے
یوں تھمے ہیں کہ نہیں خلق میں اُن کے آثار
اعتدال آج جو ہر شے میں نظر آنے لگا
شرم سے پردۂ خاکی میں چھپا شعلۂ نار
کیا مبارک یہ گھڑی بھی ہے کہ جس میں ہر شے
ٹھیک اُسی حد پہ ہے اصلی ہے جو اُس کا معیار
دلِ عاشق کہ نہیں تھا جسے اک لحظہ سکوں
انتہا ہو گئی بس آگیا اُس کو بھی قرار

ALLAMA IQBAL LIBRARY
46610

J & K UNIVERSITY LIB
Acc No 46610
Date 10-7-63

Date ....

Call No. ....

Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

Call No. ....
Date ....
Acc. No. ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the ast date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. 891.41 Book No. D 34 T
Vol. ______ Copy ______
Accession No. 25096

Call No. ....

Acc. No. ....

Date ....

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the ast date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will be levied for each day, if the book is kept beyond that day.

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN